سورۃ الصافات

آیاتہا ۱۸۲ ۳۷ سورۃ الصّٰفّٰت مکیۃ ۵۶ رکوعاتہا ۵

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾

''قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی، پھر خوب جھڑ کنے والوں کی، پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک ہے مشرقوں کا''۔

ان تین آیات کی جو قراءت مروج ہے یہی اکثر قراء کی قراءت ہے۔ حمزہ نے ان میں ادغام کے ساتھ قراءت کی ہے یہ وہ قراءت ہے جب امام احمد بن حنبل نے اسے سنا تو اسے ناپسند کیا۔ نحاس نے کہا: تین وجوہ سے لغت عربی میں یہ بعید ہے: (1) تاء صاد کے مخرج میں سے نہیں، زاء کے مخرج میں سے نہیں، ذال کے مخرج میں سے نہیں نہ ہی ان کے اخوات کے مخرج میں سے ہے اس تاء کی اخت، طاء اور دال ہے زاء کی اخت، صاد اور سین ہے ذال کی اخت، ظاء اور ثاء ہے۔ (2) تاء ایک کلمہ میں ہے اور دوسرے حروف دوسرے کلمہ میں ہیں۔ (3) جب تو انہیں جمع کرے گا تو تو دو کلموں کے دو ساکنوں کو جمع کریگا اس جیسی صورت میں دو ساکنوں کو اس وقت جمع کرنا جائز ہوتا ہے جب وہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں جس طرح دابۃ، شابۃ۔

حمزہ کی قراءت کے جواز کی صورت یہ بنتی ہے کہ تاء ان حروف کا قریب المخرج ہے الصّٰٓفّٰتِ یہ قسم ہے یہاں واؤ، باء کا بدل ہے معنی ہے صافات کے رب کی قسم فَالزّٰجِرٰتِ کا اس پر عطف ہے۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ یہ جواب قسم ہے کسائی نے قسم میں ان کے ہمزہ کو فتحہ دینا جائز قرار دیا ہے الصافات سے لے کر التالیات تک سے مراد فرشتے ہیں (1)؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ فرشتے آسمان میں اسی طرح صف باندھتے ہیں جس طرح دنیا میں مخلوقات نماز کے لیے صفیں باندھتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ فضا میں اپنے پروں کو صف در صف کیے ہوتے ہیں (2) وہ فضا میں کھڑے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس چیز کا حکم دیتا ہے جو وہ ارادہ فرماتا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح غلام اپنے مالکوں کے سامنے صفیں بنائے کھڑے ہوتے ہیں۔

1۔ المستدرک مع التلخیص، جلد 2، صفحہ 429 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 36

حضرت حسن بصری نے کہا: مراد ہے وہ اپنے رب کے حضور نماز کے لیے صفیں بناتے ہوئے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: صافات سے مراد پرندے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ (الملک: 19) صف کا معنی ہے جمیعت کو ایک لائن میں ترتیب دینا جس طرح نماز میں صف باندھی جاتی ہے۔ الصافات اس کی جمع ہے یہ کہا جاتا ہے: جماعة صافة پھر اس کی جمع صافات بنائی جاتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: الصّٰفّٰتِ سے مراد مومنوں کی جماعت ہے(1) جب وہ نماز یا جہاد میں صف میں کھڑے ہوتے ہیں؛ یہ امام قشیری نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، مسروق اور دوسرے علماء کے نزدیک فَالزّٰجِرٰتِ سے مراد فرشتے ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ بادلوں کو جھڑکتے ہیں اور انہیں ہانکتے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے یا اس لیے کیونکہ نصیحتوں کے ذریعے معاصی سے جھڑکتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآن کے زواجر ہیں۔

فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًا ۝ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے ہیں؛ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، مجاہد، جبیر اور سدی کا قول ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فرشتوں میں سے سب سے بڑے ہیں تو وہ لشکروں اور متبعین سے خالی نہیں ہوتے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ تمام افراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرآن اور اس کی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قرآن کی آیات ہیں، آیات کی صفت تلاوت سے اسی طرح لگائی گئی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ (نمل: 76) قرآن کی آیات کو تالیات کہنا اس لیے بھی جائز ہے کیونکہ بعض حروف بعض کے پیچھے ہوتے ہیں؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے کہ تالیات سے مراد انبیاء ہیں جو وحی کو اپنی اپنی امت کی طرف تلاوت کرتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ صفات میں فاء عاطفہ کس حیثیت سے آئی ہے؟ اسے کہا جائے گا: یا تو یہ وجود (پائے جانے) میں معانی کی ترتیب پر دلالت کرتا ہے جس طرح یہ شعر ہے:

یَالَهفَ　زَیَّابَةَ　لِلحارِثِ　الصابِحِ　فَالغَانِمِ　فَالآیِبِ(3)

”زیابہ کا حارث کے لیے افسوس جس نے صبح کے وقت حملہ کیا غنیمت حاصل کی اور صحیح وسالم واپس لوٹ گیا“۔ یا بعض اعتبارات سے باہم فرق کی بنا پر انہیں مرتب کرنے کا فائدہ دیتا ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: خذ الافضل فالاکمل۔ و اعمل الاحسن والاجمل۔ افضل کو پھر اکمل کو لو۔ احسن پھر اجمل کام کرو یا صفات کے موصوفات میں ترتیب ثابت کرنے کا فائدہ دیتا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: رحم الله المحلقین فالمقصرین (4) حلق کرانے والوں پر رحم فرما پھر قصر کرانے والوں پر رحم فرما۔ ان تین قوانین کی بناء پر صفات میں فاء عاطفہ لایا جاتا ہے؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 36　　2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 358

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 34　　4۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تفضیل الحلق على التقصیر، جلد 1، صفحہ 420

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ۝ یہ جواب قسم ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے کفار نے کہا: تو تمام معبودوں کو ایک معبود بناتا ہے وہ ایک خدا تمام مخلوقات کو کیسے کافی ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے عظمت و شان کو ظاہر کرنے کے لیے ان صفات کے ساتھ قسم اٹھائی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن انباری نے کہا: یہاں پر وقف کرنا اچھا ہے پھر رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے تو ابتدا کرے معنی یہ ہوگا وہ آسمانوں کا رب ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خبر کے بعد خبر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ واحد سے بدل ہو۔

میں کہتا ہوں: ان دونوں صورتوں میں لواحد پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ اخفش نے رب السموات و رب المشارق پڑھا ہے اس صورت میں یہ ان کے اسم کی صفت ہوگی یعنی آسمان اور زمین کا خالق اور ان لوگوں کا مالک۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت الوہیت اور کمال قدرت کو بیان فرمایا کہ وہ رب السموات والارض یعنی ان کا خالق و مالک ہے۔

وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۝ یعنی سورج کے مطالع کا مالک۔ حضرت ابن عباس نے کہا: سورج کا ہر روز ایک مشرق اور مغرب ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کے مطلع کے لیے تین سو پینسٹھ روشن دان بنائے ہیں اسی طرح مغرب میں دنوں کی تعداد کے مطابق غروب ہونے کے لیے روشن دان بنائے ہیں ہر روز ان میں سے ایک روشن دان سے وہ طلوع ہوتا ہے اور ایک روشن دان میں غائب ہوتا ہے۔ وہ اگلے سال اسی روشن دان سے طلوع ہوتا ہے وہ طلوع نہیں ہوتا مگر مجبوری کے عالم میں ہی طلوع ہوتا ہے وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھے اپنے بندوں پر طلوع نہ کر کیونکہ وہ تیری نافرمانی کرتے ہیں؛ ابو عمر نے اسے کتاب التمہید میں ذکر کیا ہے۔ ابن انباری نے کتاب الرد میں عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: مجھے بتائیے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے امیہ بن صلت کے بارے میں مروی ہے امن شعرہ و کفر قلبہ فرمایا: وہ حق ہے تم نے اس میں سے کس چیز کو عجیب جانا ہے؟ میں نے کہا: ہم نے اس کے اس قول کو عجیب و غریب جانا ہے:

والشمسُ تطلُعُ كلَّ آخِرِ ليلةٍ حمراءَ يُصبحُ لونُها يَتَورَّدُ
ليست بطالعةٍ لهُمْ فی رسْلِها اِلَّا مُعَذَّبَةً وَاِلَّا تُجْلَدُ

''سورج ہر رات کے آخر میں سرخ طلوع ہوتا ہے صبح کے وقت اس کا رنگ گلاب کے پھول کی طرح ہو جاتا ہے وہ ان پر طلوع نہیں ہوتا مگر اسے عذاب دیا جا رہا ہوتا ہے اور کوڑے مارے جا رہے ہوتے ہیں''۔ کیا وجہ ہے کہ سورج کو کوڑے مارے جا رہے ہوتے ہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! سورج کبھی بھی طلوع نہیں ہوتا مگر ستر ہزار فرشتے اسے کچوکے دیتے ہیں، فرشتے اسے کہتے ہیں: تو طلوع ہو، تو طلوع ہو۔ وہ کہتا ہے: میں اس قوم پر طلوع نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری اطاعت کرتی ہے۔ ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور انسانوں کی روشنی کے لیے اسے اوپر اٹھاتا ہے، شیطان اس کے پاس آتا ہے وہ اسے طلوع ہونے سے روکنے کا ارادہ کرتا ہے سورج اس کے دو سینگوں کے درمیان طلوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سورج کے نیچے جلا دیتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا بھی یہی

مطلب ہے: ''یہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور جب بھی غروب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتا ہے، شیطان اس کے پاس اسے سجدے سے روکنے کے لیے آتا ہے تو وہ اس کے سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ اسے اس کے نیچے جلا دیتا ہے''۔ یہ انباری کے الفاظ ہیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی صلت کے اس شعر کی تصدیق کی۔

زُحَلٌ وثَوْرٌ تحتَ رِجلِ يَمِينِهِ والنَّسرِ لأخرى وليثٌ مُرْصَدُ

والشَّمسُ تَطلعُ كلَّ آخرِ ليلةٍ حمراء يصبحُ لونُها يَتَوَرَّدُ

ليست بطالعة لهم في رِسْلِها إلّا مُعذَّبةً وإلّا تُجْلَدُ

عکرمہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: اے میرے آقا! کیا سورج کو بھی کوڑے مارے جاتے ہیں؟ فرمایا: اسے سیرابی نے کوڑوں پر مجبور کرایا لیکن وہ عقاب سے ڈرتا ہے مطالع کا ذکر مغارب پر دلالت کرتا ہے اسی طرح اللہ کا فرمان ہے: سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) مشارق کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ طلوع غروب سے پہلے ہوتا ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ مشرقین سے مراد وہ دور دراز کا مطلع ہے جہاں سے طویل ترین دن سورج طلوع ہوتا ہے اور سال کے چھوٹے ترین دن میں جہاں سے طلوع ہوتا ہے جس طرح سورۂ یٰس میں گذرا ہے۔

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ﴿۹﴾ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

''بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے اور اسے محفوظ کر دیا ہر سرکش شیطان کی رسائی سے نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے ان کو بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ''۔

قتادہ نے کہا: ستارے تین مقاصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں (1)، شیاطین کو رجم کرنے کے لیے، ایسے نور کے لیے جس کیساتھ راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور آسمان دنیا کی زینت کے لیے۔ مسروق، اعمش، نخعی، عاصم اور حمزہ نے بزینۃ پڑھا ہے یعنی مجرور اور منون اور الکواکب کو زینۃ سے بدل کے طور پر مجرور پڑھا ہے کیونکہ کواکب ہی زینت ہیں۔ ابوبکر نے اسی طرح پڑھا ہے مگر الکواکب کو زینۃ مصدر کی وجہ سے نصب دی ہے اس کا معنی ہے ہم نے آسمانوں سے ستاروں کو مزین کیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اعنی کی وجہ سے منصوب ہو گویا کہا: ہم نے اسے زینت سے مزین کیا ہے یعنی ستاروں سے مزین کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زینۃ سے بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اسے زینۃ الکواکب پڑھا جائے معنی ہوگا اس کی زینت

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 38

ستارے ہیں یا معنی ہو یہی کواکب ہیں۔ باقی قراء نے اسے اضافت کے ساتھ بزینۃ الکواکب پڑھا ہے معنی ہے ہم نے آسمان دنیا کو کواکب کی تزیین کے ساتھ مزین کیا یعنی ان کے حسن کے ساتھ مزین کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ قراءت تو اس کی قراءت کی طرح ہو جس نے اسے تنوین دی مگر تخفیف کے لیے اسے حذف کر دیا و حفظا یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی حفظناہ حفظا۔

مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ۝ جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ فرشتے آسمان سے وحی کے ساتھ نازل ہوتے ہیں تو یہ بھی واضح کیا اللہ تعالیٰ نے کواکب کے ساتھ آسمان کو مزین کرنے کے بعد آسمان کی اس چیز سے حفاظت کا اہتمام کیا کہ کوئی چوری چھپے آسمان کی خبریں سن لے۔ مارد جنوں اور انسانوں میں سے جو سرکش ہوتا ہے اسے کہتے ہیں، عرب اسے شیطان کہتے ہیں۔

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى ابو حاتم نے کہا کلام اس طرح ہے لئلا یسمعوا پھر ان کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو رفع دیا گیا الْمَلَاِ الْاَعْلٰى سے مراد آسمان دنیا اور دوسرے آسمانوں والے ہیں۔ تمام کو اعلیٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ زمین کے مکینوں کی بنسبت وہ اعلیٰ ہیں يَسَّمَّعُوْنَ میں ضمیر شیاطین کے لیے ہے۔ جمہور نے اسے يَسْمَعُوْنَ پڑھا ہے یعنی سین ساکن ہے اور میم مخفف ہے حمزہ اور عاصم نے حفص کی روایت میں لَا يَسَّمَّعُوْنَ پڑھا ہے اس وقت یہ تسمیع سے مشتق ہے☆، پہلی قراءت کی صورت میں اس کے سماع کی نفی کر دی ہے اگرچہ وہ سننے کی کوشش کریں گے۔ یہی صحیح معنی ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کرتا ہے: اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ۝ (الشعراء)

دوسری قراءت کی صورت میں ان سے استماع اور سماع دونوں کی نفی واقع ہیں۔ مجاہد نے کہا: وہ سننے کی کوشش کریں گے اور سن نہ سکیں گے يَسَّمَّعُوْنَ کی اصل یتسمعون ہے(1) تاء کو سین میں مدغم کر دیا گیا ہے کیونکہ تاء سین کا قریب المخرج ہے؛ ابو عبیدہ نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ عرب کم ہی کہتے ہیں: سمعت الیہ وہ کہتے ہیں تسمعت الیہ و یقذفون من کل جانب انہیں ہر جانب سے شہاب ثاقب مارے جائیں گے۔ دحورا مصدر ہے اور مفعول مطلق ہے کیونکہ يُقْذَفُوْنَ کا معنی بھی یدحرون ہے دحرتہ دحرا و دحورا یعنی میں نے اسے دھتکار دیا۔ سلمی اور یعقوب حضرمی نے دَحُوْرًا پڑھا ہے اس وقت یہ فَعول کے وزن پر مصدر ہوگا جہاں تک فراء کا تعلق ہے انہوں نے اسے اسم فاعل کی حیثیت دی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یقذفون بما یدحرھم یعنی دحور سے پہلے باء حذف ہے کوئی اس کو اکثر استعمال کرتے ہیں جس طرح انہوں نے یہ شعر کہا:

تَمرُّوْنَ الدیارَ ولَمْ تَعوجُوا

یہاں الدیار سے پہلے باء حذف ہے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ شہابیوں کے ساتھ مارنا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تھا یا بعثت کی وجہ سے اس کے بعد تھا اس بارے میں دو قول ہیں: اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے روایات سورۂ جن میں آئیں گی۔ ان دونوں کے درمیان جمع کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ کہا جائے جنہوں نے یہ کہا: شیاطین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 35

☆ متن میں اسی طرح ہے مگر یہ درست نہیں صحیح تسمع ہے۔

بعثت سے قبل نہیں مارا جاتا تھا پھر انہیں مارا جانے لگا یعنی انہیں ایسا نہیں مارا جاتا تھا جو انہیں سننے سے روک دے لیکن انہیں کسی وقت مارا جاتا اور کسی وقت نہ مارا جاتا، ایک جانب سے مارا جاتا اور دوسری طرف سے نہ مارا جاتا شاید اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ سے اسی معنی کی طرف اشارہ ہے یعنی پہلے انہیں بعض جوانب سے ہی مارا جاتا تھا تو اب ان کے لیے دائمی عذاب ہے اس سے قبل وہ انسانوں کی جانب سے جاسوسی کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی اس کی حاجت پوری کر دیتا اور کوئی اسے پورا نہ کر سکتا کوئی محفوظ رہتا اور کوئی محفوظ نہ رہتا بلکہ اسے پکڑ لیا جاتا اور اسے عبرتناک سزا دی جاتی۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آسمان کی حفاظت میں اضافہ کر دیا گیا ان کے لیے ایسے شہابیے تیار کیے گئے جو پہلے تیار نہیں کیے گئے تھے تاکہ آسمان کی تمام جوانب سے انہیں پتھر مارے جائیں پہلے جن جگہوں پر وہ بیٹھتے تھے وہ اب وہاں نہ بیٹھ سکیں جو چیز آسمان میں جاری ہوتی اب وہ اس کے سماع پر قادر نہیں مگر یہ کہ کوئی چیز تیزی سے اچک لیں تو زمین کی طرف آنے اور اپنے دوستوں تک اسے القاء کرنے سے قبل کوئی شہاب ثاقب اس کا پیچھا کرے اور اسے جلا دے اس طرح کہانت باطل ہو گئی اور رسالت و نبوت حاصل ہو گئی۔

اگر سوال کیا جائے: اگر یہ شہابیوں کے ساتھ مارنا نبوت کی وجہ سے تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی یہ سلسلہ کیوں جاری رہا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت دائمی ہے اس لیے یہ سلسلہ بھی قائم و دائم ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہانت کے باطل ہونے کی خبر دی ہے فرمایا: لیس منا من تکھن جس نے کہانت کی وہ ہم میں سے نہیں۔

اگر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حفاظت و نگہبانی کا سلسلہ نہ ہوتا تو جن پھر سننا شروع کر دیتے اور کہانت لوٹ آتی تو یہ باطل ہونے کے بعد جائز نہیں کیونکہ جب حفاظت نبوت کی وجہ سے ہوئی تھی تو حفاظت و نگہداشت کا ختم ہونا اور کہانت کا دوبارہ شروع ہونا ضعیف مسلمانوں کے لیے شبہ کا باعث ہوتا اور اس کا خوف موجود تھا کہ لوگ یہ گمان کرتے کہ کہانت اس لیے لوٹ آئی ہے کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے تو یہ بات صحیح ہے کہ حکمت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بھی اس کی حفاظت ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہتا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝۔ واصب کا معنی دائم ہے یہ مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی شدید ہے۔ کلبی، سدی اور صالح نے اس کا معنی موجع کیا ہے یعنی جس کا درد دل تک جا پہنچتا ہے۔ یہ وصب سے ماخوذ ہے جس کا معنی مرض ہے(1)۔

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ یہ وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثناء غیر وحی کی طرف راجع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝ فرشتے ایک دوسرے کو جو بات پہنچاتے یہ ان میں سے کوئی چیز چوری چھپے سن لیتے یہ ان امور میں سے ہوتے جو عالم میں وقوع پذیر ہونے والے ہوتے جبکہ اہل زمین کو اس کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 39

ابھی علم نہ ہوتا۔ یہ اس وجہ سے ہوتا کیونکہ شیاطین کے اجسام خفیف ہوتے تو اس وقت انہیں شہابچوں سے مارا جاتا۔

اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ شیاطین آسمانوں کی طرف بلند ہوتے (1) وہ ایک دوسرے کے اوپر سننے کے لیے بیٹھتے سب سے زیادہ جسارت کرنے والا آسمان کے زیادہ قریب ہوتا پھر اس طرح یکے بعد دیگرے دوسرے ہوتے اللہ تعالیٰ اہل زمین کے بارے میں حکم دیتے اہل سموات اس کے بارے میں آپس میں گفتگو کرتے تو قریبی شیطان اسے سن لیتا اور وہ اسے نیچے والے کی جانب القا کرتا کبھی شہابچہ اسے جلا دیتا اور بعض اوقات وہ کلام القا کر لیتا اور شہابچہ اسے نہ جلاتا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو وہ بات کاہنوں تک جا پہنچتی وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتے اور وہ بات سچی ہوتی جس طرح ہم نے سورۃ الانعام میں بیان کیا ہے جاہل سب کو سچ تسلیم کر لیتے۔

جب اللہ تعالیٰ اسلام لے آیا تو آسمان کی شدت سے حفاظت کی گئی تو کوئی شیطان نہ بچا جس نے کوئی حتمی بات سنی مارے جانے والے ستارے وہی ہیں جنہیں لوگ ٹوٹتا ہوا دیکھتے ہیں۔

نقاش اور مکی نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے نہیں جو آسمان میں جاری ہیں کیونکہ ان کی حرکت نہیں دیکھی جاتی یہ پھینکے جانے والے ستارے ہیں جن کی حرکت دیکھی جاتی ہے کیونکہ یہ ان ستاروں میں سے قریب ترین ہیں۔ سورۂ حجر میں اس کے بارے میں کافی وضاحت گذر چکی ہے۔ ہم نے سورۂ سباء میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث ذکر کی ہے اس میں ہے: ''شیاطین ایک دوسرے کے اوپر تھے''۔ (2) اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''شیاطین تیزی سے اچک لیتے ہیں (3) تو انہیں شہابچے مارے جاتے ہیں وہ ان باتوں کو اپنے دوستوں کی طرف القا کرتے ہیں جو وہ بات اس طریقہ پر کریں تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں اور اس میں اضافہ کر دیتے ہیں'' کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ خطف کا معنی تیزی سے کسی چیز کو لے لینا ہے۔ یہ لفظ یوں استعمال ہوتا ہے خَطَف، خَطِف، خَطَّف، خِطَّف اور خِطِف۔ مشدد میں اصل اختطف ہے تا کو طاء میں مدغم کیا گیا کیونکہ یہ اس کی اخت ہے خاء کو فتحہ دیا گیا ہے کیونکہ تاء کی حرکت اس پر ڈالی گئی ہے۔ جس نے اسے کسرہ دیا تو وہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے جس نے طاء کو کسرہ دیا ہے تو اس نے کسرہ کو کسرہ کے تابع کیا ہے۔

ثاقب سے مراد روشن ہے؛ یہ ضحاک، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد آگ کے ستارے ہیں جو ان کا پیچھا کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں سمندر میں گرا دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الشهب کے بارے میں فرمایا: وہ ان شیاطین کو موت کے بغیر جلاتے ہیں وہ شہابچے جن کے ساتھ لوگوں کو مارا جاتا ہے وہ ان ثابت ستاروں سے نہیں ہوتے اس پر ان کی حرکات کا دکھائی دینا دلالت کرتا ہے ثابت کواکب چلتے ہیں ان کی دوری کی وجہ سے ان کی حرکات دکھائی نہیں دیتیں۔ یہ بحث بھی گذر چکی ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 466 2۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ سبا، جلد 2، صفحہ 154

3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 155، ایضاً، باب و من سورۃ سبا، حدیث 3148، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

شہاب کی جمع شُهُب ہے جمع قلت میں قیاس اشهبه ہے اگرچہ عربوں سے یہ جمع کا وزن نہیں سنا گیا۔ ثاقب کا معنی روشن ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابو مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں یہ قول ہے:

وَ زَنْدُكَ أَثْقَبُ أَزْنادِها

یعنی تیری زند (وہ لکڑی جس سے آگ روشن کی جاتی تھی) تمام زندوں سے زیادہ روشن ہے اخفش نے اس کی جمع کے بارے میں کہا شُهُبٌ ثُقُبٌ، ثواقب اور ثقاب۔ نسائی نے کہا: ثقبت النار تثقب ثقابة وثقوبا، جب وہ روشن ہو اثقبتها انا میں نے اسے روشن کیا۔ زید بن اسلم نے ثاقب کے بارے میں کہا: وہ روشن ہے؛ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے أَثْقِبْ زَنْدَكَ یعنی اپنی آگ روشن کر، یہ اخفش کا قول ہے اور شاعر کا قول پڑھا:

بينما المرءُ شِهابٌ ثاقِبٌ　ضربَ الدهرُ سَناهُ فَخَمَدْ(1)

اس اثناء میں کہ انسان ایک روشن ستارہ ہوتا ہے زمانہ اس کی چمک کو ضرب لگاتا ہے تو وہ بجھ جاتا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ⑫ وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ⑬ وَ اِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ⑯ اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ⑰

''پس آپ ان سے پوچھیے: آیا وہ زیادہ مضبوط ہیں خلقت کے اعتبار سے یا دوسری چیزیں جنہیں ہم نے پیدا فرمایا بے شک ہم نے پیدا کیا ہے انہیں لیسدار کیچڑ سے آپ تو اظہار تعجب کرتے ہیں قدرت کے کرشمے دیکھ کر اور وہ تمسخر اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: نہیں ہے مگر یہ کھلا جادو، کیا جب ہم مر جائیں گے اور مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟''۔

یعنی اہل مکہ سے پوچھیے۔ یہ مفتی سے فتوی طلب کرنے سے ماخوذ ہے اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا سے مراد آسمان، زمین، پہاڑ اور سمندر ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں فرشتے اور سابقہ امتیں داخل ہیں اس پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ اسے من کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد فرشتے ہیں۔ دوسرے علماء نے کہا: من سے مراد سابقہ امتیں ہیں (3) جو ہلاک ہو چکیں وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے یہ آیت اشد بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسے الاشد اس لیے کہا گیا کیونکہ اس کی پکڑ اور قوت بہت زیادہ تھی اس کا ذکر سورۃ البلد میں آئیگا اس کی مثل یہ آیت ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (مومن: 57) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ (النازعات: 27)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 39　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 40　3۔ ایضاً

لَّازِبٍ کا معنی لیسدار مٹی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس معنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

تَعَلَّمْ فَإِنَّ اللهَ زَادَكَ بَسْطَةً		وأخلاقَ خيرٍ كُلُّها لكَ لَازِبُ(1)

علم حاصل کرو اللہ تعالیٰ تیرے جسم اور بھلائی کے اعمال میں اضافہ کرے وہ سب تیرے ساتھ وابستہ ہوں۔

قتادہ ابن زید نے کہا: لَّازِبٍ کا معنی ہے چمٹنے والی۔ ماوردی نے کہا: لاصق اور لازق میں فرق یہ ہے(2) کہ لاصق اسے کہتے ہیں جس کا کچھ حصہ دوسرے کے ساتھ چمٹا ہوا ہو اور لازق اسے کہتے ہیں جو جس چیز کے ساتھ لگتا ہے اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: لَّازِبٍ کا معنی لزج ہے یعنی لیسدار۔ سعید بن جبیر نے کہا: گرم گوند جو ہاتھ سے چمٹ جائے۔ مجاہد نے کہا: لَّازِبٍ سے مراد لازم ہے عرب کہتے ہیں: طین لازب، لازم۔ باء میم سے بدلی ہوئی ہے اس کی مثل ان کا قول ہے: لاتب، لاتم باء میم سے بدلی ہوئی ہے لازب کا معنی ثابت ہے تو کہتا ہے: صار الشئ ضربة لازب۔ یہ ضربہ لازم سے زیادہ بلیغ ہے نابغہ نے کہا:

ولا تَحْسَبُونَ الخيرَ لاشَرَّ بعدَهُ		ولا تَحْسَبُونَ الشَّرَّ ضربةَ لَازِبِ(3)

تم خیر کو گمان نہیں کرتے اس کے بعد شر نہیں ہوگی اور تم شر کو ضرب لازب خیال نہیں کرتے۔

فراء نے عربوں سے یہ حکایت بیان کی ہے: طین لاتب یہ لازم کے معنی میں ہے لاتب کا معنی ثابت ہے اسی سے تو یہ باب ذکر کرتا ہے لَتَبَ يَلْتُبُ لَتْبًا ولُتُوبًا یہ لزب يَلْزُبُ لزوبا کی طرح ہے۔ ابوجراح نے لاتب کے بارے میں یہ شعر پڑھا ہے:

فإن يَكُ هذا من نَبِيذٍ شَرِبْتُهُ		فإنّي من شربِ النَّبيذِ لَتَائِبُ

صُدَاعٌ وَتَوْصِيمُ العِظَامِ وفَتْرَةٌ		وغَمٌّ مع الإشْرَاقِ في الجوفِ لَاتِبُ(4)

"اگر یہ اس نبیذ سے ہے جسے میں نے پیا ہے تو میں نبیذ کو پینے سے تائب ہوں سر درد، ہڈیوں میں سراخ، شکستگی اور چمٹ جانے والا غم جبکہ پیٹ میں آگ روشن ہے"۔ لاتب سے مراد لاحق ہے جو لازب کی مثل ہے؛ اصمعی سے جوہری نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ سدی اور کلبی نے کہا: لازب سے مراد خالص ہے۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد بدبودار ہے۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ۝ اہل مدینہ، ابو عمرو اور عاصم نے عجبت کو تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے یعنی قرآن میں سے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس سے آپ تعجب کا اظہار کرتے ہیں جبکہ وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ شریح کی قراءت ہے اور ضمہ والی قراءت کرنا پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تعجب کا اظہار نہیں کرتا تعجب کا اظہار وہ کرتا ہے جو علم نہیں رکھتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے بلکہ وہ جو بعث کا انکار کرتے ہیں اس پر آپ تعجب اظہار کرتے ہیں۔ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے اسے تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور فراء نے اسے پسند کیا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے اسے بل عجبتُ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 40		2۔ ایضاً

3۔ دیوان النابغة الذبیانی صفحہ 18		4۔ احکام القرآن للطبری، جز23، صفحہ 51

فراء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: بَلۡ عَجِبۡتَ وَ یَسۡخَرُوۡنَ ۝ کے بارے میں کہا: لوگوں نے اسے تاء کے رفع اور نصب کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ رفع مجھے زیادہ محبوب ہے کیونکہ حضرت علی شیر خدا، حضرت عبداللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

ابو زکریا فراء نے کہا: فعل عجب کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا تو اس کا وہ معنی نہ ہوگا جو معنی اس وقت ہوگا جب اسے بندوں کی طرف منسوب کیا جائے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ (البقرۃ:15) اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کی صورت میں اس کا وہ معنی نہیں ہوگا جو معنی بندوں کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یہ اصل میں شریح کے قول کا رد ہے جب اس نے اس قراءت کا انکار کیا۔

جریر اور اعمش نے ابو وائل شقیق بن سلمہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسے بل عجبت ویسخرون پڑھا ہے۔ شریح نے کہا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کی وجہ سے تعجب کا اظہار نہیں کرتا تعجب کا اظہار وہ کرتا ہے جو علم نہیں رکھتا (1)۔ اعمش نے کہا: میں نے ابراہیم کے سامنے اس کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: شریح کو اپنی رائے اچھی لگتی ہوگی بے شک حضرت عبداللہ شریح سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ اسے بل عجبتُ پڑھتے۔ ہروی نے کہا: بعض ائمہ نے کہا بل عجبت کا معنی ہے بلکہ میں انہیں کے تعجب پر بدلہ دوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کئی مواقع پر ان کے بارے میں خبر دی کہ وہ حق سے تعجب کا اظہار کرتے ہیں: وَ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ (ص:3) فرمایا: اِنَّ ہٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ ۝ ارشاد فرمایا: اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡہُمۡ (یونس:2) اللہ تعالیٰ کا فرمان: بَلۡ عَجِبۡتَ بلکہ میں نے انہیں ان کے تعجب پر سزا دی۔

میں کہتا ہوں: یہ فراء کے قول کا خلاصہ ہے؛ بیہقی نے اسے پسند کیا۔ علی بن سلیمان نے کہا: دونوں قراءتوں کا معنی ایک ہی ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قل ای محمد بل عجبت، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بہت اچھا قول ہے۔ قول اکثر مضمر ہوتا ہے بیہقی نے کہا: پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ بھی جائز ہے اللہ تعالیٰ کے اپنے نفس کے بارے میں تعجب کے اظہار کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ جس نے اس کا انکار کیا اس کے بارے میں اس نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے اسے مخلوق کی جانب سے تعجب کے قائم مقام رکھ دیا جائے جس طرح جس بات پر وہ راضی ہوتا ہے اس کے بارے میں خبر دینے کو ضحک پر محمول کیا جاتا ہے جس طرح حدیث طیبہ میں آیا ہے کہ جس سے وہ راضی ہوا اس کے اظہار کو مجازاً مخلوقات کے ضحک کے قائم مقام رکھا۔

ہروی نے کہا: عجب ربکم کا معنی ہے تمہارا رب راضی ہوا اور اس نے بدلہ دیا اسے عجب کا نام دیا مگر حقیقت میں وہ عجب نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ یَمۡکُرُ اللّٰہُ (انفال:30) اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مکر پر بدلہ دیتا ہے اس کی مثل حدیث ہے: عجب ربکم من إلکم وقنوطکم (2) تمہارا رب تمہاری آہ و زاری اور تمہاری مایوسی پر تمہیں بدلہ دیتا ہے۔ بعض اوقات عجب کا لفظ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم ہوتا ہے اس صورت میں بل

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 38 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 37

عجبت کا معنی ہے بلکہ ان کا فعل میرے ہاں عظیم ہے۔ بیہقی نے کہا: یہ بھی امکان ہے کہ یہ حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث کے معنی کے مشابہ ہو۔ کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: عجب ربك من شباب ليس له صبوة (1) تیرے رب کے ہاں اس نوجوان کا مکالمہ عظیم ہے جس میں خواہش نفس کی طرف میلان نہ ہو۔ امام بخاری نے ابو ہریرہ بیتیہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اسی کی مثل ہے: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قوم کا معاملہ عظیم ہے جو جنت میں بیڑیوں کے ساتھ داخل ہوتی ہے''۔ بیہقی نے کہا: یہ حدیث اور جو اس کی مثل احادیث وارد ہوئی ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جو کرم اور شفقت فرماتا ہے اس کے فرشتے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں جب انہیں برانگیختہ کیا کہ وہ ایمان لائیں یہ صورت قتال اور بیڑیوں میں جکڑنے کے ساتھ واقع ہوئی یہاں تک کہ جب وہ ایمان لائے تو انہیں جنت میں داخل کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: بَلْ عَجِبْتُ کا معنی ہے بلکہ میں نے اسے عجیب و غریب جانا۔ نقاش نے اسے بیان کیا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعجب سے مراد کسی شے کو عجیب و غریب جاننا اور اس کی عظمت شان بیان کرنا ہے۔ یہ عربوں کی لغت ہے حدیث طیبہ میں آیا ہے: عَجِبَ رَبُّكم مِنْ إلكم وقُنوطِكم اللہ تعالیٰ نے تمہاری آہ و زاری اور تمہاری مایوسی کو عجیب و غریب جانا۔

وَيَسْخَرُوْنَ۝ میں واؤ حالیہ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی عجبت منهم في حال سخريتهم۔ ایک قول یہ کیا گیا: بل عجبت پر کلام مکمل ہوگئی پھر نئی کلام شروع ہوئی اور فرمایا: وَيَسْخَرُوْنَ یعنی وہ اس کا تمسخر اڑاتے جو آپ لائے جب تو نے اسے ان پر تلاوت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب آپ ﷺ انہیں دعوت دیتے ہیں تو وہ تیرا مذاق اڑاتے ہیں۔

وَإِذَا ذُكِّرُوْا قتادہ کے قول کے مطابق جب انہیں قرآن کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے لَا يَذْكُرُوْنَ۝ تو وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے (2)۔ سعید بن جبیر نے کہا: جب ان کے سامنے اس عذاب کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان سے قبل جھٹلانے والوں پر نازل ہوا تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اس میں تدبیر نہیں کرتے۔

وَإِذَا رَاَوْا اٰيَةً جب وہ کسی معجزہ کو دیکھتے ہیں تو وہ مذاق اڑاتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ وہ کہتے: وہ جادو ہے استسخر اور سخر دونوں کا ایک ہی معنی ہے (3) جس طرح استقر اور قر کا معنی ایک ہی ہے اور استعجب اور عجب کا معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا يَسْتَسْخِرُوْنَ۝ کا معنی ہے وہ غیروں سے مذاق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے وہ استہزاء کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ آیت مذاق ہے۔ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ جب وہ معجزات کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں تو کہتے ہیں: یہ جادو، خیال اور دھوکہ ہے۔ ءَاِذَا مِتْنَا جب ہم مر جائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ یہ استفہام انکار اور مذاق کے لیے ہے اور ہمارے آباء کو دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ ہمزہ استفہام کو حرف عطف پر داخل کیا گیا ہے۔ اَوَاٰبَآؤُنَا نافع نے اَوْ کو واؤ کے سکون ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بحث سورۃ الاعراف میں گذر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى (اعراف: 98)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 467	2۔ زاد المسیر، جلد 5.6، صفحہ 300	3۔ ایضاً، جلد 5.6، صفحہ 301

قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

''فرمایئے: ہاں ضرور اسی حال میں کہ تم ذلیل وخوار ہو گے۔ پس قیامت تو ایک جھڑکی ہو گی پس وہ اٹھ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں گے۔ اور کہیں گے: ہم برباد ہو گئے یہ تو یوم جزا ہے۔ ہاں ہاں یہی فیصلہ کا دن ہے جس (کی آمد) کو تم جھٹلایا کرتے تھے''۔

قُلْ نَعَمْ ہاں تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ جبکہ تم ذلیل وخوار ہو گے کیونکہ جس چیز کا انہوں نے انکار کیا تھا اس کے وقوع کو دیکھیں گے تو لامحالہ وہ ذلیل وخوار ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: عنقریب قیامت برپا ہو گی اگرچہ تم ناپسند کرو تمہارے نہ چاہتے ہوئے یہ امر واقع ہو گا اگرچہ تم اپنے گمان کے مطابق اس کا انکار کرو۔

یہ تو ایک چیخ ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے (1)۔ اس سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔ صیحہ کو زجرہ کا نام دیا ہے (2) کیونکہ اس سے مقصود جھڑکنا ہی ہے یعنی اس کے ساتھ انہیں جھڑکا جائے گا جس طرح ہانکتے وقت اونٹوں اور گھوڑوں کو جھڑکا جاتا ہے تو وہ کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ انتظار کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کہا گیا: یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (انبیاء: 97) ایک قول یہ کہا گیا ہے: وہ اس بعث کو دیکھیں گے جس کا انہوں نے انکار کیا۔

وَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ وہ اپنے لیے ہلاکت کو پکاریں گے کیونکہ اس روز انہیں علم ہے جو ان پر واقع ہونے والا ہے۔ بصریوں کے نزدیک ویل کا لفظ منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ فراء نے یہ گمان کیا ہے: اس کی تقدیر کلام یوں ہو گی یا وی لنا اور وی، حزن کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: اگر یہ اسی طرح ہو جس طرح اس نے کہا تو یہ الگ ہوتا جبکہ مصحف میں یہ متصل ہے، ہم ہر کسی کو جانتے ہیں کہ وہ اسے متصل ہی لکھتا ہے یَوْمُ الدِّیْنِ سے مراد یوم حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد یوم جزا ہے۔

هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کا ایک دوسرے کے لیے قول ہے یعنی یہ وہ دن ہے جس کو ہم نے جھٹلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا ان کے حق میں قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا قول ہے یہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کا دن ہے وہ حق پرست کو باطل پرست سے الگ کر دے گا پس ایک جنت میں اور ایک فریق جہنم میں ہو گا۔

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾ وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 4، صفحہ 360 2۔ زاد المسیر، جلد 5،6، صفحہ 301

هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝٢٦ وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝٢٧ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ
كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝٢٨ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝٢٩ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ
مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۝٣٠ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۝٣١
فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۝٣٢ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝٣٣ اِنَّا كَذٰلِكَ
نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝٣٤ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝٣٥

''اے فرشتو! جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو جہنم کی راہ کی طرف اور (اب ذرا) روک لو انہیں ان سے باز پرس کی جائے گی، تمہیں کیا ہو گیا ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے جائیں گے اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی طرف اور سوال و جواب کیے جائیں گے۔ پیروکار سرداروں سے کہیں گے کہ تم آیا کرتے تھے ہمارے پاس بڑے کروفرے سے (اور ہمیں کفر پر مجبور کیا کرتے تھے) وہ جواب دیں گے: بلکہ تم ایمان ہی کب لائے تھے (کہ ہم نے تم کو گمراہ کر دیا) اور نہ ہمیں تم پر کوئی غلبہ حاصل تھا بلکہ تم بذات خود سرکش لوگ تھے۔ پس لازم ہو گیا ہم سب پر اپنے رب کا حکم اب (خواہ مخواہ) ہم عذاب کو چکھنے والے ہیں۔ پس ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا ہم خود بھی گم راہ تھے۔ پس وہ (سب) اس روز عذاب میں حصہ دار ہوں گے۔ ہم اس طرح سلوک کرتے تھے مجرموں کے ساتھ (کفار کا یہ حال ہے کہ) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں''۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ یہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے لیے فرمان ہے یعنی مشرکوں اور شرک میں جو ان کے ساتھی تھے انہیں اٹھاؤ۔ شرک سے مراد ظلم ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (لقمان) کافر کو کافر کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ یہ قتادہ اور ابو العالیہ کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعبیر کرتے ہوئے کہا: بدکار کو بدکار کے ساتھ، شرابی کو شرابی کے ساتھ اور چور کو چور کے ساتھ اٹھایا جائے گا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَزْوَاجَهُمْ سے مراد ان کی مثل ہیں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف ہی لوٹتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَزْوَاجَهُمْ سے مراد ان کی وہ بیویاں ہیں جو شرک میں ان کے موافق ہیں (2)؛ یہ مجاہد اور حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ نعمان بن بشیر نے حضرت عمر بن خطاب سے یہی روایت کیا ہے ضحاک نے کہا: اَزْوَاجَهُمْ سے مراد شیاطین میں سے ان کے ساتھی ہیں (3)؛ یہ مقاتل کا بھی قول ہے۔ یہ کافر کو اس کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ کر اٹھایا جائے گا وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے مراد بت، شیطان اور ابلیس ہے (4)۔ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ انہیں جہنم کی طرف لے چلو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 43 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 39 4۔ زاد المسیر، جلد 5،6، صفحہ 302

ان کی راہنمائی کرو، یوں کہا جاتا ہے: هديته الى الطريق، هديته الطريق، یعنی میں نے اس کی راستہ کی طرف راہنمائی کی اس طرح اهديت الهدية وهديت العروس۔ اسی طرح یہ کہا جاتا ہے: اهديتها یعنی میں نے اسے ہدیہ کے قائم مقام بنا دیا۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ کے بارے میں عیسیٰ بن عمر نے کہا: ان فتحہ کے ساتھ ہے۔ کسائی نے کہا تقدیر کلام یوں ہے لانهم، بانهم، یوں باب بیان کیا ہے وقفتُ الدابة أقفها وَقْفا فوقفت هي وقوفا۔ کبھی یہ فعل متعدی استعمال ہوتا ہے اور کبھی غیر متعدی استعمال ہوتا ہے یعنی انہیں روک۔ یہ انہیں جہنم کی طرف ہانکے جانے سے قبل ہوگا؛ اس میں تقدیم وتاخیر ہے یعنی انہیں حساب کے لیے روکو پھر انہیں جہنم کی طرف ہانک کرلے جاؤ۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: پہلے انہیں آگ کی طرف ہانکا جائے گا پھر وہ جہنم کے قریب پہنچیں گے تو انہیں سوال وجواب کے لیے روک لیا جائے گا۔ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ ان سے ان کے اعمال، اقوال اور افعال کے بارے میں سوال کیا جائے گا؛ یہ قرظی، کلبی اور ضحاک نے کہا: ان سے ان کی خطاؤں کے بارے میں پوچھا جائے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بارے میں پوچھا جائے گا ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اسے مخلوق پر ظلم کی جانب سے پوچھا جائے گا۔ ان سب میں یہ دلیل موجود ہے کہ کفار سے بھی حساب لیا جائے گا۔ سورۃ الحجر میں اس کے بارے میں گفتگو پیچھے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ان سے سوال یہ ہوگا کہ ان سے کہا جائے گا: کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے یہ حجت قائم کرنے کے لیے ہوگا انہیں کہا جائے گا: مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ کیا وجہ ہے تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ یہ شرمندہ کرنے کے لیے سوال کیا جائے گا کہ تم میں سے بعض بعض کی مدد کرتا اور اسے اللہ کے عذاب سے محفوظ کرتا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: غزوہ بدر کے موقع پر ابوجہل کے قول کی طرف اشارہ ہے(1) نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ (القمر) اصل میں تتناصرون تھا تخفیف کے طریقہ پر ایک طاء کو حذف کر دیا گیا۔ بزی نے وصل کی صورت میں تاء کو مشدد پڑھا ہے۔

قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سرتسلیم خم کیے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ ذلیل وعاجز ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اطاعت شعار ہوں گے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ رؤساء اور پیروکار باہم جھگڑنے لگیں گے۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اصل میں لا یتساءلون ہے لا ساقط ہو گیا۔

نحاس نے کہا: لغت سے ناواقف آدمی نے غلطی کی ہے اس نے یہ وہم کیا ہے اس کلام کا تعلق بھی اس قول سے ہے فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ (مومنون) جبکہ یہ اصل میں لا یتساءلون بالارحام ہے ان میں سے ایک کہتا ہے: میں تجھ سے اس رشتہ داری کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جو میرے اور تیرے درمیان ہے جس کے باعث تو نے مجھے نفع دیا یا تیرا حق جو مجھ پر تھا اسے ساقط کر دیا یا تو نے مجھے نیکی ہبہ کر دی یہ واضح ہے کیونکہ اس سے قبل فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (مومنون: 101) ہے یعنی وہ اس نسب کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھاتے جو ان کے درمیان ہے جس طرح حدیث طیبہ میں آیا

1۔ المحرر الوجیز

ہے: ”بے شک انسان اس امر سے خوش ہوگا کہ اس کا اپنے باپ یا بیٹے پر حق ثابت ہو تو وہ اس سے لے کیونکہ وہ نیکیاں ہوں گی یا برائیاں ہوں گی“۔ ایک حدیث میں ہے: ”اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جس کا اپنے بھائی کے ہاں کوئی حق تھا وہ مال سے متعلق تھا یا عزت سے متعلق تھا وہ اس بھائی کے پاس آیا اور اپنے مطالبہ سے پہلے اس کو اپنے لیے حلال جان لیا تو وہ اس کی نیکیوں میں سے لے گا اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہونگی تو مطالبہ کرنے والے کی برائیوں میں سے اس پر اضافہ کردیا جائے گا“ ☆۔ یہاں یَتَسَآءَلُوْنَ کا معنی ہے وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے اور اس بارے میں شرمندہ کریں گے کہ اس نے اسے گمراہ کردیا یا اس کے لیے معصیت کا دروازہ کھول دیا مابعد کلام اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝ اس کی وضاحت کرتی ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ کفار کا شیاطین کے لیے قول ہے: اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝

مجاہد نے کہا: یہ کفار کا شیاطین کے لیے قول ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ انسانوں کا جنوں کے لئے قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پیروکاروں کا سرداروں کے لیے قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ اِۨالْقَوْلَ (سبا:31) سعید نے قتادہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ تم ہمارے پاس بھلائی کے راستے سے آتے تھے اور ہمیں اس سے روک دیتے تھے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تم ہمارے پاس قسم کے طریقہ سے آتے تھے جسے ہم پسند کرتے اور جس سے ہم فال لیا کرتے تھے تاکہ نصیحت کے انداز میں ہمارے ساتھ دھوکہ کریں۔ قسم کے انداز میں جو کلام لائی جاتی عرب اس سے فال لیا کرتے اور اسے سانح کا نام دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: تم ہمارے پاس اس آدمی کے آنے کی طرح آتے جو ہمارے سامنے قسم اٹھاتا تو ہم اس کی تصدیق کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: تم ہمارے پاس دین کا لبادہ اوڑھ کر آتے تو ہم پر شریعت کے معاملہ کو ہلکا کردیتے اور تم ہمیں اس سے نفرت دلاتے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ قول بہت اچھا ہے کیونکہ دین کے واسطہ سے خیر اور شر کی پہچان ہوا کرتی ہے یمین، دین کے معنی میں ہے یعنی تم ہمارے سامنے گمراہی کو مزین کرکے پیش کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یمین کا معنی قوت ہے یعنی تم ہمیں قوت، غلبہ اور قہر سے روک دیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ (صافات) یہاں یمین قوت کے معنی میں ہے اور انسان کی طاقت اس کی قسم میں ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

اِذَا مَا رَايَةٌ رُفِعَتْ لِمَجْدٍ تَلَقَّاهَا عَرَابَةُ بِالْيَمِيْنِ (3)

جب کوئی جھنڈا بزرگی کے لیے بلند کیا جاتا ہے عرابہ اسے بڑی قوت کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: تم ہمارے پاس حق کے راستہ سے آتے تھے اور یہ ظاہر کرتے کہ حق تمہارے ساتھ ہے (4)۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 45	2۔ ایضاً	3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 470	4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 46

☆ جامع ترمذی، کتاب صفة القیامة باب ماجاء فی شان الحساب، حدیث نمبر 2343، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

انہوں نے کہا بلکہ تم تو مومن ہی نہ تھے یہ شیاطین کا ان لوگوں کے حق میں ایمان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رؤساء کا قول ہے یعنی تم تو کبھی بھی مومن نہ تھے کہ ہم تمہیں ایمان سے کفر کی طرف منتقل کرتے بلکہ تم تو کفر پر ہی تھے اور اس کے ساتھ مانوس ہوئے اور عادت کی وجہ سے اسی پر قائم رہے۔ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اور حق کو ترک کرنے میں ہمیں تم پر کوئی غلبہ نہ تھا۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ۝ بلکہ تم گمراہ اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ہم پر ہمارے رب کا فرمان ثابت ہو گیا۔ یہ بھی پیروکاروں کا قول ہے یعنی ہم پر اور تم پر ہمارے رب کا حکم ثابت ہو گیا ہم میں سے ہر ایک عذاب چکھنے والا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے اور رسولوں کی زبانوں سے ہمیں خبردار کیا ہے: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (ص) یہ حدیث کے موافق ہے ''اللہ تعالیٰ نے جہنم کے اہل لکھ دیئے ہیں اور جنت کے اہل لکھ دیئے ہیں نہ ان میں اضافہ ہوگا اور نہ ان میں کمی ہوگی''۔ فَاَغْوَيْنٰكُمْ پس جس کفر پر تم تھے ہم نے اسے ہی تمہارے لیے مزین کر کے پیش کیا تھا۔ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ۝ ہم تو وسوسہ اور استدعاء کر کے گمراہ کیا کرتے تھے پھر ان سب کے بارے میں خبر دی کہ اس روز گمراہ اور گمراہ کرنے والے عذاب میں شریک ہوں گے ہم مشرکوں کے ساتھ اسی قسم کا فعل کرتے ہیں جب انہیں کہا جاتا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو تو وہ تکبر کا اظہار کرتے ہیں یہاں قول مضمر ہے۔

يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ کان کی خبر ہونے کی وجہ سے نصب کے محل میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رفع کے محل میں ہو کیونکہ یہ انّ کی خبر ہے اور کان ملغا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کی وفات اور قریش کے اجتماع کے موقع پر کہا: قولوا لا الٰہ الا اللہ تملکوا بھا العرب وتدین لکم بھا العجم، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو اس کلمہ کے واسطہ سے تم عربوں کے مالک بن جاؤ گے اور عجمی تمہارے مطیع ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ کہنے سے انکار کر دیا اور اس سے نفرت کرنے لگے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور اس قوم کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تکبر کیا تھا تو فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (فتح:26) کلمہ تقویٰ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے مشرکوں نے حدیبیہ کے موقع پر اس سے تکبر کا اظہار کیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی مدت کے حوالے سے یہ کلمہ لکھوایا تھا؛ اس خبر کو بیہقی نے ذکر کیا ہے اور اس سے قبل کو قشیری نے ذکر کیا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

''اور کہتے ہیں: کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے (دیوانے تو یہ خود ہیں) وہ تو دین حق لے کر آئے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں سارے رسولوں کی۔ اے مجرمو! تم ضرور چکھو

گے دردناک عذاب کو اور نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسکا جو تم کیا کرتے تھے البتہ اللہ کے مخلص بندے
اس عذاب سے محفوظ رہیں گے''۔

کیا ہم شاعر و مجنوں کے کہنے سے اپنے معبودوں کو ترک کر دیں؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قول کو رد کر دیا۔ حق سے مراد قرآن اور توحید ہے بلکہ وہ تو قرآن لایا اور توحید کا سبق دیا اور رسول جو توحید کا پیغام لائے تھے ان کی تصدیق کی انکم لذائقوا العذاب الالیم تم عذاب الیم چکھنے والے ہو۔ لَذَآئِقُوا اصل میں لذائقون تھا نون استخفاف کے لیے حذف کر دی گئی اور اضافت کی وجہ سے مابعد کو الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ کسرہ دیا گیا۔ اس میں نصب پڑھنا بھی جائز ہے جس طرح سیبویہ نے شعر کو پڑھا:

فَأَلفيتُه غيرَ مُسْتَعْتِبٍ وَلَا ذَاكِرِ اللهَ إِلَّا قليلا

''میں نے اسے پایا کہ وہ رضامندی کا طالب نہیں تھا اور وہ اللہ کا ذکر بھی تھوڑا کرتا تھا'' سیبویہ نے اس وجہ سے والمقیمی الصلاۃ کو جائز قرار دیا ہے۔ اور تم جو شرک کا ارتکاب کرتے رہے ہو اس کا ہی تمہیں بدلہ دیا جائے گا اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ۝ جو عذاب چکھتا ہے اس سے یہ مستثنیٰ ہیں۔ اہل مدینہ اور اہل کوفہ کی قراءت المخلصین یعنی جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت، اپنے دین اور اپنی دوستی کے لیے خالص کر لیا ہے باقی قراء نے اسے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہو گا جنہوں نے عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی اے مجرمو! تم عذاب کا ذائقہ چکھنے والے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے عذاب نہیں چکھیں گے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴۱ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝۴۲ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝۴۳ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝۴۴ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۝۴۵ بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝۴۶ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ۝۴۷ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ۝۴۸ كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝۴۹

''وہی ہیں انہیں وہ رزق دیا جائے گا جس کی کیفیت معلوم ہے لذیذ پھل اور ان کا بڑا احترام و اکرام کیا جائے گا اور وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے زرنگار پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے پھرائے جائیں گے ان پر چھلکتے جام (شراب طہور کے) چشموں سے پر کر کے دودھ سے زیادہ سفید بڑے لذیذ پینے والوں کے لیے نہ اس میں مضر صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس کے پینے سے مدہوش ہوں گے ان کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی آہو چشم (عورتیں) گویا وہ (شتر مرغ کے) انڈوں کی مانند گرد و غبار سے محفوظ ہیں''۔

لَهُمْ سے مراد مخلصین ہیں یعنی ان کے لیے معلوم عطیہ ہے جو ختم نہ ہو گا۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد جنت کا رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ پھل ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ اس کی خواہش کریں گے۔ ابن سائب نے کہا: یہ صبح اور شام کے کھانے کی مقدار کے مطابق ہوں گے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا۝۶۲ (مریم) فواکہ یہ فاکھۃ کی جمع ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ

(طور:22) اس سے مراد سب پھل ہیں وہ تر ہوں یا خشک ہوں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے درجات کی بلندی، کلام کے سننے اور اس کی ملاقات کے ذریعے اکرام ہے۔ جنات نعیم سے مراد ایسے باغات ہیں ہیں جن میں وہ لطف اندوز ہوں گے۔ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جنتیں سات ہیں۔ سورۂ یونس میں ان کا ذکر ہو چکا ہے، ان میں سے نعیم بھی ہے۔

عکرمہ اور مجاہد نے کہا: وہ باہمی تعلق اور باہمی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: پلنگ جس طرح وہ چاہیں گے گھومتے پھریں گے ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایسے پلنگوں پر ہوں گے جن پر موتیوں، یاقوت اور زبرجد کے تاج ہوں گے چار پائی صنعاء سے جابیہ تک ہوگی اور عدن سے ایلہ تک ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک منزل کے اہل پر وہ گھومتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانوں کا ذکر کیا تو ان کے مشروبات کا بھی ذکر کیا۔ اہل لغت کے نزدیک کاس سے مراد وہ برتن ہے جس میں مشروب بھی ہو اگر وہ برتن مشروب سے خالی ہو تو اس کو کاس نہیں کہتے۔ ضحاک اور سدی نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی کأس کا ذکر ہے اس سے مراد شراب ہے۔ عرب اس برتن کو کاس کہتے ہیں جس میں شراب ہو جب اس میں مشروب نہ ہو تو اسے اناء اور قدح کہتے ہیں۔

نحاس نے کہا: اہل لغت میں سے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اس نے حکایت بیان کی ہے کہ عرب پیالے کو اس وقت کاس کہتے ہیں جب اس میں شراب ہو، جب اس میں شراب نہ ہو تو اسے قدح کہتے ہیں جس طرح دستر خوان پر جب کھانا ہو تو اسے مائدہ کہتے ہیں جب اس پر کھانا نہ ہو تو اسے مائدہ نہیں کہتے۔ ابو الحسن بن کیسان نے کہا: اسی سے ظعینہ کا لفظ ہے جب ہودج میں عورت ہو۔ زجاج نے کہا: بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۞ سے مراد ہے کہ شراب یوں جاری ہوگی جس طرح چشمے زمین پر جاری ہوتے ہیں۔ معین سے مراد وہ جاری پانی ہے جو ظاہر ہے بیضاء یہ کاس کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد شراب ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: جنت کی شراب دودھ سے زیادہ سفید ہوگی۔ زجاج نے کہا: لذۃ سے مراد ذات لذۃ ہے تو مضاف کو حذف کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اصل میں مصدر ہے جسے اسم بنادیا گیا ہے یعنی وہ سفید اور لذیذ ہوگی، یوں قول کیا جاتا ہے: شراب لذّ، شراب لذیذ، جس طرح یہ کہا جاتا ہے: نبات غض، غضیض۔

جہاں تک شاعر کا شعر ہے:

ولذٍ كطعمِ الصَّرخَدِيِّ تركتُهُ بأرضِ العِدَا مِنْ خَشيةِ الحَدَثَانِ(1)

کتنی ہی نیندیں ہیں جو صرخدی شراب کی مانند تھیں جن کو میں نے دشمن کے علاقہ میں حادثہ کے ڈر سے ترک کر دیا۔

یہاں لذ سے مراد نیند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں نے انہیں اپنے قدموں سے پامال نہیں کیا۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 42

اس جنت میں ان کی عقلیں خراب نہ ہونگی انہیں کوئی مرض اور سر درد نہیں ہوگا اور اس شراب کو پینے کی وجہ سے انکی عقلیں ضائع نہ ہوں گی؛ یہ قول کیا جاتا ہے: الخمر غول للحلم والحرب غول للنفوس یعنی شراب حلم کو ختم کر دیتی ہے اور جنگ نفوس کو تباہ کر دیتی ہے؛ یہ قول بھی کیا جاتا ہے: نُزِفَ الرجلُ يُنْزَفُ فهو منزوفٌ ونزيفٌ یہ اس وقت کہتے ہیں جب اسے نشہ ہو جائے۔ امرء القیس نے کہا:

وإذ هي تمشي كمشي النّز يف يَصْرَعُهُ بالكثيب البَهَرْ

جب وہ مدہوش کی چال کی طرح چلتی ہے تو چھوٹے ٹیلے پر سانسوں کا انقطاع اسے گرا دیتا ہے۔

بعد والے شعروں میں بھی نزیف اسی معنی میں ہے:

نَزِيفٌ إذا قامتْ لوجهٍ تمايلت تُراشِي الفؤادَ الرَّخْصَ أَلَّا تخَتَّرَا

فلثمتُ فاهًا آخِذًا بقرونها شُرْبَ النَّزِيفِ ببرد ماءِ الحَشْرَجِ(1)

حمزہ اور کسائی نے زاء کے کسرہ کے ساتھ قراءت کی ہے یہ انزف القوم سے مشتق ہے جب ان کے نشہ کا وقت ہو گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: احصد الزرع جب فصل کاٹنے کا وقت ہو گیا۔ أقطف الكرم جب انگور کی بیلوں کو کاٹنے کا وقت آ گیا، ارکب المهر جب ان پر سوار ہونے کا وقت ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے وہ اپنی شراب کو ختم نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کی عادت ہے یہ جملہ یوں بولا جاتا ہے: انزف الرجل، فهو منزوف یہ اس وقت کہتے ہیں: جب اس کی شراب ختم ہو جائے۔ خطیئہ نے کہا:

لَعَمْرِي لئن أَنْزفتُم أو صَحَوتُمُ لبئس النَّدامَى كنتم آلَ أَبْجَرَا(2)

میری زندگی کی قسم! اگر شراب کو ختم کر دو یا تم ہوش میں آ جاؤ تو تم کتنے برے شرابی ہوا ے آل ابجر۔

نحاس نے کہا: پہلی قراءت معنی میں زیادہ واضح ہے اور صحیح ہے کیونکہ جلیل القدر مفسرین کے نزدیک يُنْزَفُونَ کا معنی ہے ان کی عقلیں ختم نہیں ہوتیں، ان مفسرین میں سے مجاہد بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب سے ان آفات کو ختم کر دیا جو دنیا میں شراب کی وجہ سے سر درد اور نشہ وغیرہ کی صورت میں پہنچتی ہیں۔

يُنْزَفُونَ کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے: انزف الرجل جب اس کی شراب ختم ہو جائے، یہ بعید ہے کہ جنت کی شراب کی یہ صفت ذکر کی جائے لیکن مجازی معنی اس کا یہ ہے کہ یہ اس معنی میں ہے کہ وہ کبھی بھی ختم نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لاینزفون کا معنی ہے انہیں نشہ نہیں ہوگا؛ یہ معنی زجاج اور ابو علی نے ذکر کیا ہے جسے قشیری نے ذکر کیا ہے۔ مہدوی نے کہا: اس کا معنی نشہ کرنا درست نہیں کیونکہ اس سے قبل لَا فِيهَا غَوْلٌ ہے یعنی ان کی عقلوں میں خلل نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں تکرار آتا ہے ہاں سورۂ واقعہ میں یہ معنی کرنا درست ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہے لَا فِيهَا غَوْلٌ وہ مریض نہ ہوں گے تو معنی ہوگا نہ انہیں نشہ ہوگا اور نہ ان کی شراب ختم ہوگی۔ قتادہ نے کہا: غول کا معنی پیٹ کا درد ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے لَا فِيهَا غَوْلٌ کا یہ معنی نقل کیا ہے اس میں پیٹ درد نہیں ہوگا(3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا یہ قول حضرت ابن عباس

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 472
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 47
3۔ ایضاً

رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس کا معنی ہے اس میں کوئی سر درد نہیں ہوگا (1)۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ معنی نقل کیا ہے کہ شراب میں چار خصلتیں ہیں۔ نشہ، سر درد، قی اور پیشاب (2)۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر کیا اور ان خصلتوں سے اسے پاک قرار دیا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بیماری ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ کلبی نے کہا: غول کا معنی گناہ ہے (3)؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ (واقعہ) شعبی، سدی اور ابو عبیدہ نے کہا: وہ ان کی عقلوں میں خلل نہیں ڈالے گی کہ انہیں لے ہی جائے (4)؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

وما زالتِ الكأسُ تغتالُنا　وتذهبُ بالأوّلِ الأوّلِ

لگا تار جام ہماری عقلوں کو مختل ہی کرتا رہا اور ایک ایک کر کے انہیں پچھاڑتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت سے نشہ کو دور کر دیا ہے تا کہ جنت میں ان کے لیے جو نعمتیں ہیں ان سے لذت کا حصول ان سے منقطع نہ ہو۔ علماء معانی نے کہا: غول سے مراد ایسا فساد ہے جو خفیہ طریقہ سے لاحق ہوتا ہے یہ کہا جاتا ہے: اغتاله اغتیالا جب اس پر معاملہ خفیہ طریقہ سے فاسد ہو جائے، اسی سے غول اور غیلہ ہے جس کا معنی ہے خفیہ طریقہ سے قتل کرنا۔

ان کے پاس ایسی بیویاں ہونگی جو اپنی نظروں کو اپنے خاوند تک محدود رکھیں گی وہ کسی اور کی طرف نہ دیکھیں گی؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد، محمد بن کعب، اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ عکرمہ نے کہا: قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ کا معنی ہے وہ اپنے خاوند پر محبوس ہوں گی۔ پہلی تفسیر زیادہ واضح ہے کیونکہ آیت میں لفظ مقصورات نہیں لیکن دوسری جگہ **مقصورات** ہے جس کی وضاحت آئے گی۔ قاصرات یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے؛ قد اقتصر علی کذا جب وہ اسی پر قناعت کرے اور غیر سے رخ پھیر لے۔ امرء القیس نے کہا:

من القاصراتِ الطَّرْفِ لودَبَّ مُحْوِلٌ　من الذَّرِّ فَوْقَ الإتْبِ منها لأثَّرَا

ایسی عورتوں میں سے ہیں جو اپنی نظروں کو محدود رکھتی ہیں اگر انتہائی باریک چیونٹی بھی ان کی قمیص پر رینگے تو وہ اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ شعر میں فوق الاتب کی جگہ فوق الحضرمی ہے۔ اتب کا معنی قمیص ہے، محول کا معنی چھوٹی چیونٹی ہے۔ مجاہد نے بھی کہا ہے: اس کا معنی ہے وہ دوسری بیویوں پر غیرت نہیں کرتیں بلکہ وفادار و تابعدار ہیں۔

عین اس سے مراد بڑی آنکھوں والی ہیں اس کا واحد عیناء ہے؛ یہ سدی نے کہا: مجاہد نے کہا عین کا معنی ہے وہ خوبصورت آنکھوں والی ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جن کی آنکھوں کی سفیدی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی سیاہی بھی شدید ہے۔ پہلا معنی لغت میں بہت زیادہ ہے یہ کہا جاتا ہے: رجل اعین جس کی آنکھ کھلی ہو آنکھ واضح ہو۔ اس کی جمع عین آتی ہے اس کی اصل فُعْل ہے تو عین کو کسرہ دیا گیا تا کہ یاء کو واؤ سے نہ بدل دیا جائے، اسی سے ایک لفظ عین ہے وحشی گائے کو کہتے ہیں اور اسی طرح کہتے ہیں: الثور اعین والبقرة عیناء۔

مَّكْنُوْنٌ کا معنی محفوظ ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابن زید نے کہا: ان عورتوں کو شتر مرغ کے انڈوں (5) سے تشبیہ دی گئی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 47　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً　5۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 48

ہے شتر مرغ جسے ہوا اور غبار سے پروں میں چھپائے رکھتا ہے اس کا رنگ زردی مائل سفید ہوتا ہے یہ عورت کے رنگوں میں سے سب سے زیادہ حسین ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور سدی نے کہا، ان عورتوں کو انڈے کے بطن سے تشبیہ دی قبل اس کے کہ ان کا چھلکا پھاڑا جائے اور ہاتھ سے مس کریں (1)۔ عطا نے کہا: ان عورتوں کو اس جھلی سے تشبیہ دی جو اوپر والے پردے اور انڈے کے مغز کے درمیان ہوتا ہے (2)۔ ہر شے کا سحاہ اس کا چھلکا ہوتا ہے اس کی جمع سحا ہے؛ یہ جوہری نے کہا، اسی کی مثل طبری کا قول ہے کہا: یہ رقیق پردہ ہے جو انڈے کے اوپر ہوتا ہے اس کی مثل نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ عرب عورتوں کو صفائی اور سفیدی میں انڈے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ امرء القیس نے کہا:

بیضۃِ خِدْرٍ ولایرامُ خِبائُها

کتنے ہی پردے کے انڈے ہیں (عورتیں ہیں) جنکے خیمہ کا قصد نہیں کیا جاتا۔

عرب جب کسی چیز کی حسن و نظافت میں صفت بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں: کانہ بیض النعام المغطٰی بالریش ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکنون سے مراد ہے جو توڑنے سے محفوظ ہو، یعنی وہ کنواری ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیض سے مراد موتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ (واقعہ) یعنی جو سیپوں میں ہوتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:۔

ھی بیضاءُ مِثلُ لُؤلُؤۃِ الغَواصِ میزَتْ مِنْ جَوْھَرٍ مَکْنُونٍ(3)

وہ غواص کے موتی کی طرح سفید ہے جسے جوہر مکنون سے الگ کیا گیا ہو۔

مَّكْنُوْنٌ کا لفظ ذکر کیا ہے جبکہ بیض جمع ہے کیونکہ صفت کو لفظ کی طرف پھیرا گیا ہے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ۙ۝ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۙ۝ وَ لَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۙ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝

"پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور سوال جواب کریں گے۔ کہے گا ان میں سے ایک کہ میرا ایک جگری دوست ہوا کرتا تھا وہ مجھے کہا کرتا تھا کہ کیا تو قیامت پر ایمان لانے والوں میں سے ہے، کیا جب

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 48 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 49 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 48

ہم مریں گے اور مر کر مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہمیں جزا دی جائی گی؟ ارشاد ہوگا: کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا: بخدا! تو تو مجھے ہلاک ہی کرنا چاہتا تھا اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی آج پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ جنتی کہے گا: کیا اب تو ہمیں مرنا نہیں ہوگا بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں اب عذاب دیا جائے گا۔ بے شک یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے"۔

وہ آپس میں گفتگو شروع کر دیں گے جو دنیا میں ہوا کرتی تھی۔ یہ جنت میں ان کے حد درجہ انس کا اظہار ہے اسکا عطف يُطَافُ عَلَيْهِمْ کے معنی پر ہے معنی یہ بنے گا وہ پئیں گے اور شراب پر باہم گفتگو کریں گے جس طرح شراب نوشوں کی عادت ہوا کرتی ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

وما بقيتُ من اللذاتِ إلّا أحاديثُ الكِرامِ على المُدامِ(1)

لوگوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر یہ کہ کریم لوگ شراب پر آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔

یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور جو اچھی یا بری صورتحال گذری ہوگی اس کے بارے میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے مگر اسے ماضی کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا خبر دیتے وقت معمول ہے۔

ایک جنتی کہے گا: میرا ایک دوست تھا وہ کہتا تھا تو دوبارہ اٹھائے جانے اور جزا کی تصدیق کرنے والا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: قرینہ سے مراد اس کا ساتھی ہے۔ سورۂ کہف میں ان کا ذکر، ان کا قصہ اور ان کے ناموں میں اختلاف اللہ تعالیٰ کے فرمان: اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ (کہف:32) کے تحت گذر چکا ہے ان دو کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ۙ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۙ﴿۵۶﴾ وَ لَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں قرین سے مراد اس کا شیطان دوست ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کا وسوسہ پیدا کرتا تھا اسے اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَّدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ بھی پڑھا گیا ہے؛ اسے علی بن کیسہ نے سلیم سے وہ حمزہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

نحاس نے کہا: یہاں اسے المصّدِّقین پڑھنا جائز نہیں کیونکہ یہاں صدقہ کا کوئی معنی نہیں۔

قشیری نے کہا: حمزہ کی قراءت میں ائنك لمن المصّدِّقين ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ تصدیق سے ہے تصدق سے نہیں جبکہ اعتراض باطل ہے کیونکہ قراءت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے معنی یہ بنے گا تو ثواب کی طلب کے لیے مال کا صدقہ کرنے والا ہے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 44

کیا جب ہم مر جائیں گے مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا اس وقت ہمیں بدلہ دیا جائے گا یعنی موت کے بعد ہمیں جزا دی جائے گی اور ہمارا محاسبہ کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے جنتیوں سے فرمایا: کیا تم جہنم کی طرف جھانکنے والے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن جنت میں اپنے مومن بھائیوں سے کہے گا: کیا تم جہنم کی طرف جھانکنے والے ہو تاکہ ہم دیکھیں تو سہی اس دوست کا کیا حال ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا قول ہے اور هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ استفہام نہیں یہ تو امر کے معنی میں ہے یعنی جھانکو؛ یہ ابن عربی اور دوسرے لوگوں کا نقطہ نظر ہے، اس معنی میں ہے جب شراب کے حکم والی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوئے پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا پھر کہا: اے میرے رب! شراب کے بارے میں ایسا حکم نازل فرما جو اس سے بھی زیادہ واضح ہو تو فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ (مائدہ) نازل ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا: اے ہمارے رب! ہم رک گئے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ مشدد نہیں اور فَأُطْلِعَ پڑھا یعنی ہمزہ قطعی ہے اور طاء مخففہ ہے معنی ہو گا هل انتم مقبلون فاقبل۔ نحاس نے کہا: فاطلع فراٰہ میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ فعل مستقبل ہے اسکا معنی پس میں جھانکوں گا، تو یہ استفہام کے جواب میں ہونے سے منصوب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل ماضی ہے تو اطّلع اور اطلع ایک ہے۔ زجاج نے کہا: طلع، أطلع اور اطّلع سب کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ بھی حکایت بیان کی گئی ہے هَلْ اَنْتُمْ مُّطْلِعُوْنِ ﴿۵۴﴾ یعنی نون مکسور ہے۔ ابو حاتم اور دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ سراسر غلط ہے یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں نون اور اضافت کو جمع کر دیا گیا ہے اگر یہ مضاف ہوتا تو یہ ہوتا هل انتم مطلعی اگرچہ سیبویہ اور فراء نے اس کی مثل حکایت بیان کی ہے دونوں نے یہ شعر پڑھا:

هُمُ الْقَائِلُوْنَ الْخَيْرَ وَالْآمِرُوْنَهٗ　وہ بھلائی کی بات کہنے والے اور اس کا حکم دینے والے ہیں۔

فراء نے والفاعلونه پڑھا۔ سیبویہ نے اکیلے یہ پڑھا: ولم يَرْتَفِق والناس مختضِرونه محل استدلال محتضرونه ہے۔

یہ شاذ ہے اور کلام عرب سے خارج ہے۔ جو اس قسم کا کلام ہے اس کے ذریعے کتاب اللہ میں استدلال نہیں کیا جا سکتا اور یہ کلام فصیح میں داخل بھی نہیں۔

اس کی توجیہ میں ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اسم فاعل کو فعل مضارع کے قائم مقام رکھا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے قریب ہے پس مُطلعون کو یُطلِعون کے قائم مقام رکھا؛ یہ ابو الفتح عثمان بن جنی نے ذکر کیا ہے اور یہ کہا: أقائِلُنَّ احضِروا الشُّهودَا کیا تم یہ کہو گے گواہوں کو حاضر کرو۔ محل استدلال اقائلنّ ہے جو اتقولن کے معنی میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: جنت میں ایک روشن دان ہے جنتی جس سے جہنم اور جہنمیوں کو دیکھیں گے۔

ابن مبارک نے جو ذکر کیا ہے اس میں کعب نے بھی یہی ذکر کیا ہے کہا: جنت اور دوزخ میں ایک روشن دان ہے جب کوئی

1۔ جامع سنن الترمذی، باب ومن سورۃ المائدۃ، حدیث نمبر 2975، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مومن ارادہ کرتا ہے کہ اس دشمن کو دیکھے جو دنیا میں اس کا دشمن تھا تو وہ اس روشن دان سے جھانکے گا الله تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ، سَوَآءِ الْجَحِيْمِ سے مراد جہنم کا وسط ہے جبکہ کانٹے دار پودے اس کے اردگرد ہوں گے: یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: تعبت حتی انقطع سَوائی میں تھکا یہاں تک کہ میری کمر ٹوٹ گئی، یہاں بھی سواء سے مراد وسط ہے۔

قتادہ سے مروی ہے کہ بعض علماء نے کہا: اگر الله تعالیٰ اس جہنمی کی اس جنتی کو پہچان نہ کرائے تو وہ اسے نہ پہچان سکے گا اس کا رنگ اور اس کی حالت بدل جائے گی (1) اس موقع پر وہ کہے گا: تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝ اس میں ان مثقلہ سے مخففہ ہے یہ کاد پر اسی طرح داخل ہے جس طرح کان پر داخل ہے اسی کی مثل اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا (الفرقان: 42) ہے لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

اگر الله تعالیٰ کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی جہنم میں حاضر ہوتا۔ کسائی نے کہا: لتردین کا معنی ہے تو مجھے ہلاک کر دیتا۔ الردی کا معنی ہلاکت ہے مبرد نے کہا: اگر کہا جاتا لَتُرْدِيْنِ یعنی تو ضرور مجھے آگ میں گرا دیتا تو یہ بھی جائز تھا۔

اگر الله تعالیٰ کی جانب سے عصمت اور اسلام کا حلقہ مضبوطی سے پکڑنے کی اور برے دوست سے براءت کی توفیق مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں جہنم میں ہوتا۔ لولا کا مابعد سیبویہ کے نزدیک مبتدا ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے اس کی خبر محذوف ہے لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ فراء نے کہا: تو میں بھی جہنم میں تمہارے ساتھ حاضر ہوتا۔ احضر کا لفظ صرف شر میں استعمال ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے (2)۔

بِمَيِّتِيْنَ کو بمائتین بھی پڑھتے ہیں افما ہمزہ استفہام کے لیے ہے جو فاء عاطفہ پر داخل ہے معطوف اس کا محذوف ہے اس کا معنی ہوگا: کیا ہم ہمیشہ رہیں گے، نعمتیں دیئے جاتے رہیں گے، ہمیں موت نہ آئے گی اور نہ ہمیں عذاب دیا جائے گا اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى یہ استثناء ہے یہ پہلی کلام سے استثناء نہیں۔ موتۃ سے مصدر ہے کیونکہ یہ موصوف ہے یہ جنتیوں کی فرشتوں کے سامنے گفتگو ہوگی موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ اے جنتیو! ہمیشہ کی زندگی ہے اب کوئی موت نہیں اور اے جہنمیو! ہمیشہ کی زندگی ہے اب کوئی موت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومنوں کی گفتگو تحدیث نعمت کے طور پر ہوگی کہ وہ نہ مریں گے اور نہ ہی انہیں عذاب دیا جائے گا یعنی یہ ہماری حالت اور ہماری صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومن کی کافر کے لیے گفتگو ہوگی کیونکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا تھا اور موت صرف دنیا کی ہی موت ہے جنت میں جو کچھ ہوگا مومن اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے گا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ھو مبتدا ہے اور مابعد اس کی خبر ہے اور جملہ ان کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ھو ضمیر فصل ہے۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ مومن کا کلام ہے الله تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں جو کچھ تیار کیا اور جو کچھ اسے عطا کیا جب اسے دیکھا تو یہ کہا: لِمِثْلِ هٰذَا سے مراد عطا اور فضل ہے فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ یہ اسی کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 50 2۔ ایضاً

مثل ہے جو کافر نے اسے کہا: اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا (الکہف) یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ فرشتوں کا قول ہو۔ ایک قول یہ کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اہل دنیا کے لیے قول ہے یعنی جنت میں جو خیرات اور جزا ہے اس کو تم نے سنا تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ نحاس نے کہا: تقدیر کلام یوں ہوگی فلیعمل العاملون لمثل ھذا۔

اگر کوئی سوال کرے: عربی زبان میں فاء اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے بعد والا اول کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس کی بعد والے کو پہلے کس طرح تصور کیا جا سکتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ تقدیم تاخیر کی طرح ہے کیونکہ حروف جارہ اور ان کے مابعد کا حق یہ ہوتا ہے کہ وہ متاخر ہوں۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾

"بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔ ہم نے بنا دیا ہے اسے آزمائش ظالموں کے لیے۔ یہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہہ میں، اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اس سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ۔ پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جہنم کی طرف"۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ یہ مبتدا اور خبر ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: نُزُلًا اس کا بیان ہے اس کا معنی ہے کیا جنت کی نعمتیں بہترین ضیافتیں ہیں یا زقوم کا درخت بہترین ضیافت ہے؟ نُزُل لغت میں اس رزق کو کہتے ہیں جس میں وسعت ہو۔ نحاس نے کہا: اسی طرح النزل اور نُزُل ہے مگر یہ بھی جائز ہے کہ نُزُل بھی اس کی ایک لغت ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اصل میں یہ نُزُل ہو اس سے یہ جملہ ہو اقیم للقوم نزلھم قوم کے لیے ان کی ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ اس کا اشتقاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وہ غذا ہے جو اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ وہ پڑاؤ کرتے اور اس ہی میں مقیم رہتے۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں یہ گزر چکا ہے۔ شجرۃ الزقوم یہ تزقم سے مشتق ہے یہ مشقت کے ساتھ نگلنا ہے کیونکہ وہ ناپسندیدہ اور بدبودار ہوتا ہے۔

مفسرین نے کہا: یہ جہنم کی لپک کے ساتھ اسی طرح زندہ رہتا ہے جس طرح درخت پانی کی ٹھنڈک کے ساتھ زندہ رہتا ہے جو اس کے اوپر والے حصے میں رہتے ہیں ان جہنمیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی طرف نیچے اتریں اور اس سے کھائیں اسی طرح جو اس سے نیچے والے حصہ میں رہتے ہیں وہ اس کی طرف اوپر چڑھیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد دنیا کا درخت ہے جسے عرب پہچانتے ہیں یا نہیں پہچانتے (1)؟ اس کے بارے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 51-50

میں دو قول ہیں: (1) یہ وہی درخت ہے جو دنیا میں معروف ہے۔ جنہوں نے یہ قول کیا ہے ان میں بھی اختلاف ہے۔ قطرب نے کہا: یہ سخت کڑوا درخت ہے جو تہامہ میں ہوتا ہے اور خبیث ترین درخت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ قاتل نبات ہے۔ (2) دنیا کے درختوں میں یہ معروف نہیں۔ جب زقوم کے درخت کے بارے میں آیت کریمہ نازل ہوئی تو قریش نے کہا: ہم تو اس درخت کو نہیں پہچانتے تو افریقہ کا ایک آدمی ان کے پاس آیا قریش نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: ہمارے نزدیک تو اس سے مراد مکھن اور کھجور کے مجموعے کو کہتے ہیں تو ابن زبعری نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں میں زقوم کی کثرت کرے۔ ابو جہل نے اپنی لونڈی سے کہا: ہمیں زقوم کھلاؤ تو وہ اس کے پاس مکھن اور کھجور لے آئی پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: زقوم سے لطف اندوز ہو یہ وہ چیز ہے جس سے ''محمد'' ہمیں ڈراتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ آگ درخت کو اگاتی ہے جبکہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے۔

فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ۝ میں ظالمین سے مراد مشرکین ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا: آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے جبکہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے؟ یہ بحث سبحان کے لفظ کے ضمن میں گزر چکی ہے انہوں نے اس کو خفیف اسی طرح جانا تھا جس طرح انہوں نے عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ (المدثر) کو خفیف جانا تھا وہ کیا معاملہ ہے جس نے اس عدد کو خاص کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا تھا میں اتنوں کو تو تمہاری طرف سے کافی ہوں باقی کو تم میری طرف سے کافی ہو جانا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا (مدثر: 31) فتنہ کا معنی آزمائش ہے ان کی طرف سے یہ قول سراسر جہالت تھی کیونکہ عقلاً ایسا محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ آگ میں اس کی جنس سے ایسا درخت پیدا کرے جسے آگ نہ کھاتی ہو جس طرح جہنم میں اللہ تعالیٰ بیڑیاں، طوق، سانپ، بچھو اور جہنم کے داروغے پیدا فرماتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تعجب جس طرح کفار کو ہوا تھا اسی طرح اس وقت ملاحدہ کو بھی ہے یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو انہوں نے ایسی نعمت اور عقاب پر محمول کیا ہے جس میں روحیں داخل ہوتی ہیں انہوں نے اعمال کے وزن کرنے، صراط، لوح اور قلم کو ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو انہوں نے خود اپنے دلوں میں تصور کیے نہ کہ ان کی وہ تعبیر کرتے ہیں جو مسلمان شرعی دلائل سے سمجھے ہیں۔ جب صادق وامین کی خبر ایسی چیز کے بارے میں وارد ہو جس کا عقل وہم ہی کر سکے تو اس کی تصدیق واجب ہے اگرچہ یہ جائز ہو کہ اسکی کوئی تاویل کی جا سکے پھر ایسی تاویل باطل ہوگی جس کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہو کہ یہ تاویل باطل ہے مسلمان ان اشیاء کو حاصل ہونے کو جائز سمجھتے ہیں اسے باطن کے علم کی طرف نہیں پھیرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ظالمین کے لیے سزا ہے جس طرح فرمایا: ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ (ذاریات)

اَصْلِ الْجَحِیْمِ ۝ سے مراد جہنم کی گہرائی ہے یہاں سے ہی یہ جنم لے گا پھر یہ جہنم میں پھیل جائے گا۔ طلعها سے مراد اسی کا پھل ہے۔ پھل کو طلع کا نام اس لیے دیا کیونکہ یہ طلوع کرے گا۔

رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ۝ سے مراد شیاطین کی ذاتیں ہیں ان کی قباحت کی وجہ سے ان پھلوں کو رءوس سے تشبیہ دی گئی شیاطین کے سروں کا تصور نفوس میں ہی ہوگا اگرچہ وہ دکھائی نہ دیں گے اس معنی میں عربوں کا قول یہ ہے کہ ہر قبیح کے لیے وہ یہ

کہتے ہیں: ھو کصورۃ الشیطان اور ہر خوبصورت شے کو کہتے ہیں: ھی کصورۃ الملك اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو اس نے ان عورتوں کے قول کی حکایت کے طور پر کہا: اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ (یوسف:31)

یہ تشبیہ تخییلی ہے؛ یہی معنی حضرت ابن عباس اور قرظی سے منقول ہے اسی معنی میں امراء القیس کا قول ہے:

مَسْنُونَةٌ زُرْقٌ كَأَنْيَابِ أَغْوَالِ

مسنونۃ زرق سے مراد ایسے تیر ہیں جنہیں تیز کیا گیا ہو البتہ غول (جن بھوت) معروف نہیں لیکن نفوس میں ان کی قباحت متصور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ (انعام:112) انسانوں میں سے تو سرکش ایسے شیاطین ہیں جو دکھائی دیتے ہیں حدیث صحیح میں ہے ولکأن نخلھا رءوس الشیاطین(1) گویا اس کی کھجوریں شیاطین کے سر ہیں۔ بہت سے عربوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے شیاطین اور جنوں کو دیکھا ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: شیاطین سے مراد سانپ ہیں جن کے سر اور کلغیاں ہوتی ہیں یہ سانپوں میں سے قبیح ترین، خبیث ترین اور جسموں میں سے سب سے ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ راجز نے کہا: عورت کو ایسے سانپ سے تشبیہ دی جاتی ہے جس کی کلغی ہو۔

عَنْجَرِدٌ تَحْلِفُ حِينَ أَحْلِفُ كَمِثْلِ شَيطَانِ الحَمَاطِ أَعْرَفُ

کلغی والی عنجرد جو حماط کے شیطان کی مثل ہے وہ اس وقت قسم اٹھاتی ہے جب میں قسم اٹھاتا ہوں۔

شاعر اپنی اونٹنی کی صفت بیان کرتا ہے:

تُلَاعِبُ مَثْنَى حَضْرَمِيٍّ كَأَنَّهُ تَعَمُّجُ شَيطَانٍ بِذِي خِرْوَعٍ قَفْرِ

تعمج سے مراد چال میں ٹیڑھا پن ہے، سہم عموج اس تیر کو کہتے ہیں جو جاتے وقت مڑ جاتا ہے تعمجت الحیۃ۔ جو چلتے ہوئے مڑ جائے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اس قبیح بوٹی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو یمن میں ہوتی ہے جسے استن اور شیطان کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ عربوں کے ہاں معروف نہ تھا۔ زمخشری نے کہا: اس سے مراد ایسا درخت ہے جو کھردرا، کڑوا اور ناپسندیدہ صورت والا ہو۔ اس کے پھل کو رءوس الشیاطین کہتے ہیں۔ نحاس نے کہا: شیاطین سے مراد سانپوں کی ایسی قسم ہے جو بہت ہی قبیح ہوتی ہے۔

اہل جنت کے مقابلہ میں ان کا یہ کھانا اور پھل ہوگا، سورۂ غاشیہ میں آیا ہے لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ اس کا ذکر بعد میں آئے گا اس درخت کے کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا شوب سے مراد آمیزہ ہے شَوب اور شُوب سے مراد دونوں لغتیں ہیں جس طرح فَقر اور فُقر ہے اور فتحہ زیادہ مشہور ہے۔ فراء نے کہا: شاب طعامه وشرابه۔ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب ان دونوں کے ساتھ کوئی چیز ملائی جائے اس کا مصدر شوبا اور شیابۃ آتا ہے یہ خبر دی کہ ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کو ملایا جائے گا حمیم سے مراد گرم پانی ہے تاکہ یہ کھانا ان کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب إن اللہ یأمر بالعدل، جلد 2، صفحہ 896

فرمان ہے: وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝ (محمد)

سدی نے کہا: ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ان کی آنکھوں کے پانی ان کی پیپ اور ان کے خون کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے زقوم کو کھولتے ہوئے پانی میں ملایا جائے گا تاکہ ان کے لیے زقوم کی کڑواہٹ اور کھولتے ہوئے پانی کی گرمی کو جمع کر دیا جائے مقصود ان کے عذاب میں سختی اور ان کی آزمائش میں جدت پیدا کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝ اس امر پر دلالت کرتا ہے جب وہ جہنم کے عذاب کے علاوہ زقوم کو کھالیں گے پھر انہیں جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ مقاتل نے کہا: حمیم، جحیم سے باہر ہوگا وہ پانی پینے کے لیے کھولتے ہوئے چشمے پر وارد ہوں گے پھر انہیں جہنم (جحیم) کی طرف لوٹا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ (رحمٰن) حضرت ابن مسعود بنی‌اللہ نے مرجعهم کی بجائے منقلبهم پڑھا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہاں ثم کالفظ واد کے معنی میں ہو۔ قشیری نے کہا: شائد حمیم جہنم کی ایک طرف میں ہو۔

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

''انہوں نے پایا تھا اپنے باپ دادا کو گمراہ پس وہ (بے سوچے سمجھے) ان کے پیچھے بھاگے جارہے تھے اور بہک گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ اور ہم نے بھیجے تھے ان میں ڈرانے والے پس (اے مخاطب!) ذرا دیکھ کیسا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا (مگر وہ نہ سنبھلے) سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے''۔

یعنی انہوں نے آباء کو گمراہ پایا توان کی اقتدا کی تو یہ ان کے پیچھے تیزی سے بھاگے جارہے ہیں؛ یہ قتادہ سے مروی ہے مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے هردلة (چال کا انداز) کے انداز میں جارہے ہیں۔ فراء نے کہا: اهراع سے مراد کانپتے ہوئے تیز چلنا۔ ابوعبیدہ نے کہا: يهرعون کا معنی ہے پیچھے سے ان پر مٹی ڈالی جارہی ہوگی اسی کی مثل مبرد کا قول ہے۔ المهرع سے مراد ہے جس کو تیزی سے چلایا جارہا ہو یہ جملہ کہا جاتا ہے: جاء فلان يهرع الى النار۔ فلاں آیا اسے آگ کی طرف تیزی سے لے جایا جارہا تھا یہ اس وقت بولتے ہیں جب سردی اسے آگ کی طرف تیزی سے لے جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں تیزی کی سختی کی وجہ سے دھتکارا جارہا ہو؛ یہ فضل کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے هرع و أهرع جب اسے پیچھے سے تیز چلایا جائے اور دھتکارا جائے۔

اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ سے مراد ہے سابقہ امتیں۔ مُّنْذِرِيْنَ ۝ سے مراد ہے ایسے رسول جنہوں نے ان لوگوں کو عذاب سے خبردار کیا تھا تو ان لوگوں نے کفر کیا۔ عَاقِبَةُ سے مراد ان کے امر کا انجام ہے۔ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ سے مراد ہے اللہ

تعالیٰ نے جنہیں کفر سے بچالیا۔ یہ بحث گزر چکی ہے پھر یہ کہا گیا یہ الْمُنْذَرِیْنَ سے مستثنیٰ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وَ لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ سے مستثنیٰ ہے۔

وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

''اور فریاد کرتے ہوئے پکارا ہمیں نوح نے پس ہم بہترین فریاد رس ہیں۔ اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے گھرانے کو ایسی مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی اور ہم نے بنا دیا فقط اس کی نسل کو باقی رہنے والا اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔ ہم اس طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو''۔

یہاں ندا سے مراد استغاثہ ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لیے دعا کی اور یوں عرض کی: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح)

ہم کتنے ہی اچھے دعا قبول کرنے والے تھے۔ کسائی نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے فلنعم المجیبون له کنا ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو نجات دی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لا چکے تھے جس طرح پہلے گزر چکا ہے ان کی تعداد اسی تھی۔ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ سے مراد غرق ہونا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر نکلے تو جو مرد اور عورتیں آپ کے ساتھ تھے سب فوت ہو گئے صرف آپ کا بیٹا اور اس کی بیویاں تھیں: اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ سے یہی مراد ہے۔

حضرت سعید بن مسیب نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے(1) لوگ سب کے سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں سام عربوں، ایرانیوں، رومیوں، اور یہود و نصاریٰ کے جد اعلیٰ ہیں حام کالون کے جد اعلیٰ ہیں یہ مشرق میں ہیں یا مغرب میں جیسے سندھی، ہندی، نوبی، زنجی، حبشی، قبطی اور بربری وغیرہ۔ یافث صقالبہ، ترکوں، ابر، خزر، یاجوج اور ماجوج کے جد اعلیٰ ہیں۔

ایک قوم نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ بھی نسل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ (بنی اسرائیل: 3)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 53

وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (ہود) اس معنی پر یہ آیت ہے وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ یہ کافروں کی اولاد سے الگ ہیں کیونکہ ان سب کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ یعنی ہر قوم میں اس کے لیے ہم نے اچھی تعریف چھوڑی ہے کیونکہ وہ سب کا محبوب ہے یہاں تک کہ مجوسی بھی انہیں کہتے ہیں وہ افریدون ہے؛ یہی معنی مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ کسائی نے گمان کیا ہے اس میں دو تقدیریں ہیں: (1) وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝، یقال سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ یعنی ہم نے اس کے لیے اچھی تعریف چھوڑی ہے؛ یہ ابو العباس مبرد کا قول ہے یعنی ہم نے اس پر یہ کلمہ باقی چھوڑا ہے یعنی لوگ اس پر سلامتی بھیجتے ہیں اور اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ یہ اس کلام میں سے ہے جس کی حکایت بیان کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا (نور: 1)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہو ہم نے اس پر باقی رکھا اور گفتگو مکمل ہو گئی پھر کلام نئے انداز میں شروع کی اور کہا سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ یعنی اس کے لیے سلامتی ہے اس چیز سے کہ اس کے بارے میں بعد کے لوگوں میں برا ذکر ہو۔

کسائی نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں سلاما منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہے ترکنا علیه ثناء حسنا سلاما۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِي الْاٰخِرِيْنَ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: انبیاء میں اس کا ذکر خیر باقی رکھا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی مبعوث نہیں کیا گیا مگر اسے حضرت نوح علیہ السلام کی اقتدا کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا (شوریٰ: 13)

سعید بن مسیب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جو شام کے وقت یہ کہے: سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ اسے بچھو نہیں کاٹے گا۔ ابو عمر نے اسے التمہید میں ذکر کیا ہے۔ موطا میں حضرت خولہ بنت حکیم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی کسی جگہ پڑاؤ ڈالے تو وہ یہ پڑھے اعوذ بکلمات الله التامات من شر ما خلق تو اسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی یہاں تک کہ وہ وہاں سے کوچ کرے گا''۔ اس میں یہ روایت بھی ہے کہ بنو اسلم کے ایک آدمی نے کہا: میں رات سو نہ سکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کس وجہ سے؟'' عرض کی: مجھے ایک بچھو نے ڈس لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خبردار! اگر تو شام کے وقت یہ پڑھ لے تو تجھے کوئی چیز تکلیف نہ دے گی اعوذ بکلمات الله التامات من شر ما خلق''(1)۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ یعنی ہم ان پر اچھی جزا باقی رکھیں گے۔ کاف محل نصب میں ہے یعنی جزاء کذلك۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ یہ اس کے احسان کا بیان ہے۔

جنہوں نے کفر کیا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ الآخرین کی جمع اٰخر ہے☆ اس میں اصل تو یہ ہے من الآخرین مگر من کو حذف کر دیا کیونکہ معنی معروف ہے۔ آخر کوئی نہیں ہو سکتا مگر اس سے پہلے اس کی جنس میں سے کسی چیز کا ہونا ضروری ہے۔ ثم

1۔ موطا امام مالک، باب ما یؤمر من التعوذ، صفحہ 722

☆ عبارت اسی طرح لکھی ہوئی ہے مگر صحیح یہ ہے آخرین یہ آخر کی جمع ہے۔

یہاں تراخی کے لیے نہیں بلکہ یہ نعمتوں کا شمار کرنے کے لیے ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البلد) پھر میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ میں نے دوسروں کو غرق کر دیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا۔

وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿٩٠﴾

''اور ان کی جماعت میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو؟ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں۔ جو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف پھر کہا: میری طبیعت ناساز ہے۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر میلہ دیکھنے چلے گئے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مِنْ شِيْعَتِهٖ سے مراد ہے ان کے دین والے (1)۔ مجاہد نے کہا: اسکا معنی ہے اس کے طریقہ اور سنت پر ہیں (2)۔ اصمعی نے کہا: شیعہ سے مراد حمایتی و مددگار ہیں (3)۔ یہ شیاع سے ماخوذ ہے اس سے مراد وہ چھوٹی لکڑیاں ہیں جو بڑی کے ساتھ جلائی جاتی ہیں تا کہ آگ روشن ہو۔

کلبی اور فراء نے کہا: معنی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعوان میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (4)۔ شیعتہ میں ضمیر سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ پہلی تعبیر کی صورت میں ضمیر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں یہ تعبیر زیادہ نمایاں ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہی پہلے ذکر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو نبی تھے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار، چھ سو چالیس سال کا عرصہ ہے: یہ زمخشری نے بیان کیا ہے۔

قلب سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے۔ عوف اعرابی نے کہا میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونا۔ طبری نے غالب قطان سے، عوف اور دوسرے علماء نے محمد بن سیرین سے یہ روایت نقل کی ہے وہ حجاج کو کہتے ہیں: ابو محمد مسکین ہیں اگر اللہ تعالیٰ اسے عذاب دے گا تو اس کے گناہ کے باعث دے گا اور اگر اسے بخش دے تو اس کے لیے مبارک ہے اگر اس کا دل سلیم ہے تو گناہ تو اسے بھی پہنچے ہیں جو اس سے بہتر تھے۔ عوف نے کہا: میں نے محمد سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ فرمایا: وہ یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت قائم ہونے والی ہے قبروں میں جو ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ اٹھانے والا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 54 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

ہشام بن عروہ نے کہا: ہمارے والد ہمیں کہا کرتے تھے اے بیٹو! تم لعن طعن کرنے والے نہ ہو جانا، کیا تم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہیں دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے کبھی بھی کسی چیز پر لعن طعن نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ ان کا اپنے رب کی طرف آنا(1) اس کی دو صورتیں ہیں: (1) وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی دعوت دیتے تھے (2) جب آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ میں اب سے مراد آزر ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ میں ما مبتدا ہونے کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اور ذا اس کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ ماذا، تعبدون کی وجہ سے منسوب ہو۔ ائفکا یہ مفعول بہ کی حیثیت سے منصوب ہے یہ کلام اس معنی میں ہے أتریدون إفکا کیا تم بہتان کا ارادہ کرتے ہو۔ مبرد نے کہا افک یہ بہت برا جھوٹ ہوتا ہے۔ یہ وہ جھوٹ ہوتا ہے جو ثابت نہیں ہوتا اور مضطرب رہتا ہے اس سے ائتفکت بھم الارض ہے۔ آلھة یہ افک سے بدل ہے۔ تریدون کا معنی ہے تم عبادت کرتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو معنی ہو کیا تم بہتان لگاتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبودان باطلہ کی عبادت کرتے ہو جب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے تو اس بارے میں کیا گمان ہو گا جبکہ تم نے دوسرے معبودوں کی عبادت کی ہوگی؟ یہ خبردار کرنا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿۶﴾ (انفطار) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کس وجہ سے تم وہم کا شکار ہوئے یہاں تک کہ تم نے دوسروں کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرا دیا؟

ابن زید نے اپنے باپ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ کل ہماری عید ہے ہمارے ساتھ چلیے تو آپ علیہ السلام نے ایک طلوع ہونے والے ستارے کی طرف دیکھا فرمایا: یہ ستارہ میری بیماری کے ساتھ طلوع ہوتا ہے(2)۔ علم نجوم ان لوگوں میں استعمال ہوتا تھا اس میں نظر وفکر کی جاتی تھی تو آپ نے انہیں اس طریقہ سے وہم میں مبتلا کر دیا اور ان کے اعتقادات کے باعث اپنے لیے عذر پیش کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مویشی پالتے اور زراعت کیا کرتے تھے یہ دونوں ذریعہ معاش ایسے تھے جن میں ستاروں کی چال میں نظر وفکر کی ضرورت ہوا کرتی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: علم نجوم بھی نبوت میں سے تھا جب اللہ تعالیٰ نے سورج کو حضرت یوشع بن نون پر روک دیا تو اس علم کو باطل کر دیا(3)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں علم نبوی کی حیثیت سے غور کیا تھا۔

جویبر نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: علم نجوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک باقی تھا یہاں تک کہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایسی جگہ داخل ہوتے جس کے بارے میں کسی کو اطلاع نہ تھی(4)۔ حضرت مریم نے لوگوں سے پوچھا: تم نے اس کی جگہ کا علم کیسے حاصل کیا؟ تو لوگوں نے بتایا: ستاروں کے ذریعے، اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی: اے اللہ! انہیں علم نجوم کا فہم نصیب نہ کرنا تو کوئی بھی علم نجوم کو نہیں جانتا۔ شرع میں اس کا حکم ممنوع ہو گیا اور لوگوں میں اس کا علم مجہول ہو گیا۔ کلبی نے کہا: وہ لوگ بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک دیہات میں رہتے جسے ہرمزجرد کہا جاتا وہ ستاروں میں نظر وفکر کیا کرتے تھے: یہ ایک قول ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 55　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 56　3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 55　4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 56-55

حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے جب لوگوں نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ ان کے ساتھ چلیں تو آپ نے اپنے معمولات میں غور وفکر کیا اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا کہ ان کے لیے جو رائے ظاہر ہوئی اس میں غور وفکر کیا تو آپ کو علم ہوا کہ ہر زندہ آدمی بیمار ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا اِنِّیْ سَقِیْمٌ میں بیمار ہوں۔ خلیل اور مبرد نے کہا: جبکہ کوئی آدمی کسی چیز میں غور کرتا ہے تو اس آدمی کے لیے کہا جاتا ہے: نظرفی النجوم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گھڑی جس میں انہوں نے آپ کے ساتھ جانے کو کہا تھا یہ وہ گھڑی تھی جس میں آپ کو بخار نے آلیا تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اشیاء میں سے جو چیزیں ظاہر ہوئیں تو ان میں آپ نے غور وفکر کیا تو آپ کو علم ہو گیا کہ ان کا ایک خالق اور مدبر ہے اور ان میں اسی طرح تبدیلی واقع ہوگی جس طرح ان اشیاء میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تو کہا اِنِّیْ سَقِیْمٌ۔ ضحاک نے کہا سقیم کا معنی ہے مجھے عنقریب موت کی بیماری لگے گی کیونکہ جس پر موت لکھ دی گئی ہو عموماً وہ بیمار ہوتا ہے پھر وہ مرجاتا ہے۔ یہاں توریہ اور تعریض کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے جس طرح آپ نے بادشاہ سے اس وقت کہا تھا: میری بہن ہے جب اس نے سارہ کے بارے میں پوچھا تھا یعنی دینی اخوت ہے۔

حضرت ابن عباس، ابن جبیر اور ضحاک نے یہ بھی کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے ایسی مرض اور سقیم کا اشارہ کیا جو متعدی ہوتا ہے جس طرح طاعون۔ وہ لوگ طاعون سے بھاگتے تھے وہ اس عدوی کے خوف سے آپ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

ترمذی حکیم نے یہ روایت کی ہے کہ مجھے میرے باپ نے روایت کی انہیں عمرو بن حماد نے انہیں اسباط نے انہیں سدی نے انہیں ابو مالک اور ابو صالح نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت بیان کی ہے۔ سمرہ نے ہمدانی سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابو ابراہیم نے کہا: ہماری ایک عید ہوتی ہے کاش! تم ہمارے ساتھ نکلتے تو ہمارا طریقہ تمہیں خوش کرتا، جب عید کا دن ہوا تو وہ لوگ عید کے لیے نکلے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان کے ساتھ نکلے ابھی آپ راستہ میں ہی تھے کہ آپ گر گئے اور فرمایا: میں تو بیمار ہوں، میری ٹانگ میں تکلیف ہے۔ انہوں نے آپ کی ٹانگ پر قدم رکھے جبکہ آپ نیچے گرے پڑے تھے جب وہ آگے چلے گئے تو پیچھے آپ نے آواز دی: تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ (انبیاء: 57) ابو عبداللہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے جو کچھ کہا تھا یہ اس کے معارض نہیں کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ان کے لیے دو امر جمع ہو گئے ہوں۔

میں کہتا ہوں: صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین خلاف واقع باتیں کی ہیں (1)" سورۃ الانبیاء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے جو اس بات پر دال ہے کہ آپ مریض تو نہ تھے آپ نے تعریض سے کام لیا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ۝ (زمر)

اس کا معنی ہے زمانہ آئندہ میں میں مریض ہوں انہوں نے یہ گمان کیا آپ اس وقت بیمار ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے یہ کلام میں تعریض کی صورت ہے اس معنی میں مشہور مثل ہے کفی بالسلامۃ داء، سلامتی بیماری کے طور پر کافی ہے۔ لبید کا

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً، جلد 1، صفحہ 474

بھی ایک شعر ہے:

فدعوتُ رَبِّی بالسلامۃِ جاھِدًا لِیُصِحَّنِی فَاِذَا السَّلَامَۃُ داءُ(1)

میں نے کوشش کرتے ہوئے اپنے رب سے سلامتی کی دعا کی تاکہ وہ مجھے صحت عطا فرمائے کیونکہ سلامتی بھی بیماری ہے۔

ایک آدمی اچانک مرگیا تو لوگوں نے اس پر بھیڑ کرلی لوگوں نے کہا: وہ مرگیا ہے جبکہ وہ صحت مند تھا تو ایک بندہ نے کہا: اصحیح مَنِ الموت فی عنقہ۔ کیا وہ آدمی جس کی گردن میں موت ہے وہ صحیح ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سچے تھے مگر انبیاء کو اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اور وہ چنے ہوئے تھے تو اسے بھی گناہ شمار کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓـَٔتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۸۲﴾ (شعراء) اس کی مفصل بحث گذر چکی ہے الحمد للہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے کفر کی وجہ سے آپ کی طبعیت میں اضطراب تھا۔ نجوم یہ نجم کی جمع ہے واحد ہو تو اصل میں یہ مصدر ہے۔

فَرَاغَ اِلٰۤی اٰلِہَتِہِمۡ فَقَالَ اَلَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿ۚ۹۱﴾ مَا لَکُمۡ لَا تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَیۡہِمۡ ضَرۡبًۢا بِالۡیَمِیۡنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقۡبَلُوۡۤا اِلَیۡہِ یَزِفُّوۡنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ ﴿ۙ۹۵﴾ وَ اللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَ مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾

”پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا: کیا تم یہ مٹھائیاں نہ کھاؤ گے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں۔ پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر داہنے ہاتھ سے۔ رنگ رلیاں منانے کے بعد آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آپ نے فرمایا: کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو“۔

سدی نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بتوں کی طرف گئے(2)۔ ابو مالک نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام متوجہ ہوئے۔ قتادہ نے کہا: وہ ان کی طرف مائل ہوئے۔ کلبی نے کہا: ان کی طرف آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: راغ کا معنی ہے پھرے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے رَاغَ یَرُوْغُ رَوْغًا وَرَوَغَانًا جب وہ جھکا۔ طریق رائغ یعنی ایسا راستہ جو ایک طرف جھکا ہوا ہو۔ شاعر نے کہا:

ویُرِیكَ من طَرَفِ اللسانِ حَلَاوۃً ویَرُوْغُ عنك کما یَرُوْغُ الثعلبُ

وہ زبان کی ایک جانب سے تیرے لیے مٹھاس دکھاتا ہے اور تم سے یوں مکر کرتا ہے جس طرح لومڑی کرتی ہے۔

اَلَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۹۱﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے یوں خطاب کیا جس طرح عقلاء کو خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ بت پرست بتوں کو عقلاء کا درجہ دیا کرتے تھے اسی طرح: مَا لَکُمۡ لَا تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۹۲﴾ میں عقلاء جیسا خطاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بتوں کے سامنے کھانا پڑا ہوا تھا لوگوں نے وہ کھانا اس کے لیے رکھ چھوڑا تھا کہ جب وہ عید سے واپس لوٹیں گے تو وہ

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 49

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 57

اس کھانے کو کھلائیں گے انہوں نے یہ کھانا اس لیے رکھا تھا تا کہ ان کے اعتقاد کے مطابق کھانے میں بتوں کی برکت حاصل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے کھانا بتوں کے خدام کے لیے چھوڑا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استہزاء کے طور پر وہ کھانا بتوں کے قریب کیا اور کہا: اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۚ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ (صافات)

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ۝ دائیں ہاتھ سے ضرب کو خاص کیا کیونکہ اس کی ضرب قوی اور سخت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں یمین بمعنی عدل ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ (الحاقہ) عدل، یمین کے لیے اور جور شمال کے لیے استعمال ہوتا ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ دشمنی اور معاصی کا ذکر کرنا ہو تو شمال کا ذکر کرتے ہیں اور طاعت کا ذکر کرنا ہو تو یمین کا ذکر کرتے ہیں اسی وجہ سے فرمایا: اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ۝ (صافات) یعنی طاعت کے طریقہ پر، یمین عدل کی جگہ ہے اور شمال ظلم کی جگہ ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوم میثاق کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی پس بیعت دائیں ہاتھ سے ہوئی اسی وجہ سے قیامت کے روز کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائیگی کیونکہ اس نے بیعت کا حق ادا کیا بیعت کو توڑنے والے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی جان بچا کر بھاگنے والے کو بائیں ہاتھ میں کتاب دی جائے گی کیونکہ وہاں ظلم کا تصور موجود ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ۝ یعنی اس عدل کے ساتھ جس پر یوم میثاق اللہ تعالیٰ کی بیعت کی تھی پھر اسے یہاں پورا کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جس طرح جذیذہ ہے اس سے مراد ستو ہے۔ یہاں یمین قوت کے معنی میں نہیں۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝ حمزہ نے پڑھا یُزِفُّون باقی قراء نے یَزِفُّون پڑھا ہے وہ تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہوئے؛ یہ ابن زید نے کہا۔ قتادہ اور سدی نے کہا: معنی ہے وہ چلتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سب آرام سے چل رہے تھے، وہ اس سے بے خوف تھے کہ کسی نے ان کے معبودوں کو کوئی نقصان پہنچایا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ چلنے اور دوڑنے کی درمیانی چال میں چلتے ہیں اسی سے زفیف النعامہ ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے وہ دوڑتے ہیں (1)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ غصہ سے کانپ رہے ہوتے ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تکبر کے انداز میں چلتے ہیں (3)؛ یہ مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں یہ قول ہے: زفاف العروس الی زوجها دلہن کا اپنے خاوند کی طرف ناز و ادا سے چلنا۔ فرزدق نے کہا:

وجاء قَرِيعُ الشَّوْلِ قبلَ إفالِها يَزِفُّ و جاءت خَلْفَه و هي زُفَّفُ

جس نے اسے یُزِفُّون پڑھا ہے اس کا معنی ہوگا وہ دوسرے لوگوں کو تزخیف پر ابھارتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر مفعول محذوف ہے۔ اصمعی نے کہا: ازففت الابل میں نے اونٹ کو تیز چلنے پر برانگیختہ کیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں یہ دونوں لغتیں ہیں یوں کہا جاتا ہے: زف القوم وأزفُّوا، زففت العروسَ أزففتُها وأزدفتها۔ سب کا ایک ہی معنی ہے، مزفة سے مراد وہ پالکی ہے جس میں دلہن کو لایا جاتا ہے؛ یہ خلیل سے مروی ہے۔ نحاس نے کہا: یُزِفون یا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے گمان کیا ہے: یہ لغت معروف نہیں جبکہ علماء کی ایک جماعت اس معنی سے آگاہ ہے ان میں فراء بھی ہے اس نے اسے ان

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 57   2۔ ایضاً   3۔ ایضاً

کے اس قول کے ساتھ تشبیہ دی ہے: اطردت الرجل میں نے اسے دھتکارا گیا بنا دیا۔ طردتہ میں نے اسے ایک طرف کر دیا اس نے اور دوسرے علماء نے یہ شعر ذکر کیا:

تَمَنّىٰ حُصَينٌ أن يسودَ جِذَاعةً فأمسى حُصَينٌ قد أذِلَّ وأُقهِرَا

حصین نے آرزو کی کہ وہ بنی جزاعہ کا سردار بنے حصین ذلیل کیا گیا اور مجبور کیا گیا ہو گیا یعنی اسے یوں بنا دیا گیا اسی طرح یُزفون ہے انہیں جلدی چلنے والا بنا دیا گیا (یعنی باب افعال میں صیرورت کا خاصہ پایا جا رہا ہے) محمد بن زید نے کہا: زفیف کا معنی تیز چلنا ہے۔ ابو اسحاق نے کہا: زفیف سے مراد چوپائے کے دوڑنے کے آغاز کو کہتے ہیں۔ ابو حاتم نے کہا: کسائی نے یہ گمان کیا ہے کہ ایک قوم نے پڑھا فاقبلوا الیہ یزفون اس وقت یہ وزن یزف سے مشتق ہو گا جس طرح وزن یزن ہے نحاس نے کہا: یہ ابو حاتم کی حکایت ہے اور ابو حاتم نے کسائی سے کوئی چیز نہیں سنی ہے۔ فراء نے کسائی سے سنا کہ وہ یَزِفون کو مخفف نہیں پہچانتے۔ فراء نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا۔ ابو اسحاق نے کہا: ان دونوں کے علاوہ علماء جو اسے پہچانتے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: وزف یزف جب وہ تیزی کرے۔ نحاس نے کہا: ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اس نے یَزِفون پڑھا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ عبد اللہ بن زید کی قراءت ہے جو مہدوی نے ذکر کی ہے۔ زمخشری نے کہا یُزَفون مجہول کا صیغہ ہے اور یزفون یہ زفافہ سے مشتق ہے جب وہ اس کے لیے حدی خوانی کرے گویا ان میں سے بعض بعض کے لیے حدی خوانی کرتے ہیں تاکہ وہ سب اس کی طرف جلدی چلیں۔ ثعلبی نے حضرت حسن بصری، مجاہد اور ابن سمیقع سے یُزفون ذکر کیا ہے یعنی یہ راء کے ساتھ ہے یہ رفیف النعام سے مشتق ہے اس سے مراد چلنے اور اڑنے کے درمیان دوڑنے کا عمل ہے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ اس کلام میں حذف ہے قالوا من فعل هذا بألهتنا انہوں نے کہا: ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو۔ نحت کا معنی چھیلنا ہے نحته ينحته نحتا۔ اسے چھیلا نحاته: البراية والمنحت۔ جس کے ساتھ چھیلا جائے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ما محل نصب میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی ان چیزوں کو پیدا کیا جن سے تم بناتے ہو مراد لکڑی، پتھر وغیرہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ (انبیاء: 56)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے اس سے مقصود ان کے عمل کی حقارت بیان کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما نافیہ ہے معنی ہے کہ تم تو انہیں نہیں بناتے بلکہ ان سب چیزوں کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے زیادہ بہتر ہے کہ ما فعل کے ساتھ مصدر کے حکم میں ہو تقدیر کلام یہ ہو واللہ خلقکم وعملکم یہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بندے کا کسب ہے اس میں قدریہ اور جبریہ کا ابطال ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے ان الله خالق كل صانع وصنعة(1) اللہ تعالیٰ ہر عامل اور اس کے عمل کو پیدا کرنے والا ہے؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ بیہقی نے حذیفہ کی حدیث سے اسے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان الله عزوجل صنع كل صانع وصنعة فهو الخالق

1۔ المستدرک للحاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 85

وھو الصانع سبحانہ اللہ تعالیٰ ہر عامل اور اس کے عمل کو پیدا کرنے والا ہے پس اللہ تعالیٰ ہی خالق وصانع ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہم نے یہ تمام چیزیں الکتاب الأسنی فی شرح أسماء اللہ الحسنیٰ میں بیان کر دی ہیں۔

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٧﴾ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿٩٨﴾

"انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا، بناؤ اس کے لیے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔ انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا۔"

جس طرح یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گذر چکی ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پر دلیل کے ساتھ غالب آ گئے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا انہوں نے کہا: اس کے لیے ایک عمارت بناؤ جس کو لکڑیوں سے بھر دو پھر اسے دہکاؤ پھر اسے اس آگ میں پھینک دو یہی جحیم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے پتھر کی ایک دیوار بنائی اس کی اونچائی تیس ہاتھ تھی انہوں نے اسے آگ سے بھر دیا اور اس آگ میں پھینک دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: جب آپ آگ میں پہنچے تو کہا: حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ الجحیم میں الف لام ضمیر پر دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فی جحیمہ یعنی اس مکان کی آگ میں؛ طبری نے یہ ذکر کیا ہے۔

طبری نے یہ ذکر کیا ہے: اس کہنے والے کا نام ہیزن تھا جو فارس کے دیہاتی علاقوں کا تھا جو ترک ہیں وہ وہی آدمی ہے جس کے بارے میں حدیث وارد ہے "اسی اثنا میں ایک آدمی اپنے حلہ میں چل رہا ہوگا وہ اس حلہ میں تکبر کر رہا ہوگا اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا تو روز قیامت تک وہ زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا" (1)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مکر کیا۔ کید سے مراد مکر ہے یعنی انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہلاک کرنے کا قصد کیا تو ہم نے ان لوگوں کو مقہور ومغلوب بنا دیا کیونکہ ان پر ایسی جگہ سے انکی محبت نافذ ہو گئی جہاں سے اسے دور کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اس کا مکر اور خفیہ تدبیر نافذ نہ ہوئی۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿١٠١﴾

"اور آپ نے کہا: میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف وہ میری راہنمائی فرمائے گا۔ دعا مانگی: میرے رب! عطا فرما دے مجھے ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ آیت ہجرت میں اصل ہے۔ سب سے پہلے جس نے یہ عمل کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخلیلاء، جلد 2، صفحہ 861

اس وقت ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے چھٹکارا دیا تو آپ نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں یعنی میں اپنی قوم کے شہر اور جائے پیدائش سے ہجرت کرنے والا ہوں جہاں میرے لیے اپنے رب کی عبادت کرنا ممکن ہوگا میں نے جب صحیح عمل کی نیت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی ہدایت دینے والا ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مخلوقات میں سے حضرت لوط اور حضرت سارہ کے ساتھ ارض مقدسہ یعنی شام کے علاقہ کی طرف ہجرت کی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میں اپنے عمل، اپنی عبادت، اپنے دل اور نیت کو اپنے رب کی طرف لے جانے والا ہوں۔ اس تعبیر کی بنا پر وہ عمل کو لے جانے والے تھے، بدن کو لے جانے والے نہیں تھے۔ سورت کہف میں اس کی وضاحت مکمل گزر چکی ہے۔ پہلی ہجرت شام اور بیت المقدس کی طرف تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ حران کی طرف نکلے وہاں ایک عرصہ تک رہے اسے پھر یہ کہا گیا: یہ بات آپ نے اس شخص سے کی تھی جو آپ کی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور اسی نے آپ سے علیحدگی اختیار کی تھی، یہ قول اس کے لیے توبیخ کے طور پر تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے یہ بات اس شخص سے کی تھی جس نے آپ کی معیت میں ہجرت کی تھی مقصود اسے رغبت دلانا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات آپ نے آگ میں پھینکے جانے سے قبل کی تھی اس قول کی بنا پر اس میں دو تاویلیں ہیں: (1) میرے رب نے میرے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے میں اس کی طرف جانے والا ہوں (2) میں مرنے والا ہوں جس طرح آدمی فوت ہوتا ہے اسے کہا جاتا ہے: قد ذهب الى الله۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خیال کیا تھا کہ آگ میں پھینکے جانے سے ہی وہ مر جائیں گے کیونکہ آگ کے بارے میں معمول یہی ہے کہ جس آدمی کو آگ میں پھینکا جاتا ہے وہ مر جاتا ہے یہاں تک کہ آگ کو فرمایا گیا: كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا (الانبیاء: 69) اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام محفوظ ہو گئے۔

اس تاویل کی بنا پر سَيَهْدِيْنِ میں دو تاویلیں ہو سکتی ہیں: (1) اس آگ سے چھٹکارا پانے کے لیے کوئی صورت پیدا فرمائے گا (2) جنت کی طرف جانے کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔

سلیمان بن صرد نے کہا: یہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو وہ آپ کے لیے لکڑیاں اکٹھی کرنے لگے، ایک بوڑھی عورت اپنی پشت پر لکڑیاں اٹھائے ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی: اذهب به إلى هذا الذي يذكر آلهتنا میں یہ اس کی طرف لے جا رہی ہوں جو ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے جایا گیا تاکہ آگ میں پھینکا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا انی ذاهب الى ربی جب آپ کو آگ میں پھینکا گیا تو کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا تو حضرت لوط علیہ السلام کے باپ نے کہا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچازاد تھا۔ اسے آگ نے اس لیے نہیں جلایا کیونکہ اسے مجھ سے قرابت حاصل تھی تو اللہ تعالیٰ نے آگ سے ایک ننھا سا انگارہ بھیجا جس نے اسے جلا دیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسے پہچان کرادی کہ وہ حضرت ابراہیم کو چھٹکارا دلانے والا ہے تو حضرت ابراہیم

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 59

علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ایک بچے سے اس کی مدد فرمائے جو اس کی تنہائی میں انس کا باعث ہو۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ آل عمران میں پہلے گزر چکی ہے۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے ھب لی ولدا صالحا من الصالحین۔ اس قسم کا حذف بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ یعنی وہ بڑا ہو کر حلیم ہوگا گو یا اس بچے کی بقا کی خوشخبری دی کیونکہ چھوٹے بچے کی اس صفت کے ساتھ صفت نہیں لگائی جاتی۔ سورۂ ہود میں جس طرح گزر چکا ہے یہ بشارت فرشتوں کی زبانی ہوئی تھی، سورۃ الذاریات میں بھی اس کا ذکر ہوگا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَ بٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَ عَلٰۤى اِسْحٰقَ ؕ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝

''اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے آپ نے فرمایا: اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتا تیری کیا رائے ہے؟ عرض کیا: میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو!) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔ بے شک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحاق پر، اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا''۔

اس میں سترہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچہ عطا فرمایا جب وہ اس عمر کو پہنچا کہ وہ مددگار کے طور پر اپنے باپ کے ساتھ معاملات میں دوڑ دھوپ کرے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں

دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ مجاہد نے کہا: جب وہ جوان ہو گیا اور اس کی قدو کاوش حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدو کاوش تک جا پہنچی۔ فراء نے کہا: وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ قتادہ نے کہا: جب وہ اپنے باپ کے ساتھ چلے (1)۔ حضرت حسن بصری اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد دانش اور سمجھ بوجھ ہے جس کے ساتھ حجت قائم ہو۔ ابن زید نے کہا: جب وہ عبادت کرنے لگے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جب انہوں نے نماز و روزہ رکھنا شروع کر دیا (2) کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنتے: وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا (بنی اسرائیل: 19)

علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کس کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا؟ اکثر کی رائے یہ ہے اس سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ یہ قول جنہوں نے کیا ان میں حضرت عباس بن عبد المطلب، ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ ہیں۔ حضرت عبد اللہ سے صحیح یہی ہے۔ ثوری اور ابن جریج حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہیں کہا: ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی یہی منقول ہے ایک آدمی نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے سنا: یابن الاشیاخ الکرام تو حضرت عبد اللہ نے جواب میں کہا: وہ حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ حماد بن زید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ان الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں" (3)۔ یعنی کریم بن کریم بن کریم بن کریم حضرت یوسف، حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؛ یہی قول حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے۔ یہ سات صحابہ ہیں۔ تابعین اور دوسرے علماء نے بھی یہ قول کیا ہے جن میں علقمہ، شعبی، مجاہد، سعید بن جبیر، کعب الاحبار، قتادہ، مسروق، عکرمہ، قاسم بن ابی بزہ، عطا، مقاتل، عبد الرحمٰن بن سابط، زہری، سدی، عبد اللہ بن ہذیل اور امام مالک بن انس ہیں سب نے کہا: ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؛ یہی نقطہ نظر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا ہے۔ کئی علماء نے اسی کو اختیار کیا ان میں حضرت نحاس، طبری اور دوسرے علماء ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مجھے خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام دکھائے گئے آپ قربان گاہ میں آئے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ماہ کی مسافت ایک دن میں طے کرائی یہاں تک کہ منیٰ میں مینڈھے کو ذبح کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مینڈھے کو ذبح کیا آپ نے ایک ماہ کی مسافت ایک رات میں مکمل کی آپ کے لیے وادیاں اور پہاڑ لپیٹ دیئے گئے تھے؛ یہ قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین سے نقل کرنے میں بہت قوی ہے۔

دوسرے علماء نے کہا: ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جن علماء نے یہ بات کہی ان میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ ہیں یہی قول حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے تابعین میں سے سعید بن مسیب، شعبی،

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 60 2۔ ایضاً 3۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ام کنتم شہداء، جلد 1، صفحہ 479

یوسف بن مہران، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب قرظی، کلبی اور علقمہ سے مروی ہے۔ ابوسعید ضریر سے ذبیح کے بارے میں پوچھا گیا: تو انہوں نے یہ اشعار کہے:

إنّ الذبيح هُدِيتَ إسمٰعيلُ　نطق الكتابُ بذالك والتنزيلُ
شرفٌ به خصّ الإلٰهُ نبيَّنا　وأتى به التفسيرُ والتأويلُ
إن كنتَ امّته فلا تُنكِرلَه　شرفًا به قد خصّه التفضيلُ

تجھے ہدایت نصیب ہو بے شک ذبیح حضرت اسماعیل ہیں کتاب وسنت اس کے بارے میں ناطق ہیں یہ ایسا شرف ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو خاص کیا تفسیر و تاویل اسی بارے میں آئی ہے اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے تو تو ان کے لیے ایسے شرف کا انکار نہ کر جسے فضیلت نے خاص کیا ہے۔

اصمعی نے کہا: میں نے ابوعمرو بن علاء سے ذبیح کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اے اصمعی! تیری عقل تجھ سے کہاں چلی گئی؟ حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ مکرمہ میں کہاں تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ تھے انہوں نے ہی اپنے والد کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کی اور قربان گاہ مکہ مکرمہ میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں''۔

پہلی تعبیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین سے بہت زیادہ سندوں کے ساتھ منقول ہے۔

ان علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے ہاں ہجرت کی تو آپ نے شام کی جانب اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی فرمایا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، مجھے ضرور ہدایت عطا فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝ اے اللہ! مجھے ایک صالح بچہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا: فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ (مریم: 49) اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۝ اس میں یہ ذکر کیا ہے کہ فدیہ حلیم بچہ میں ہوا جس حلیم بچے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی دی گئی تھی کیونکہ ارشاد فرمایا: وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ اور یہاں فرمایا: بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۝ یہ واقعہ اس سے قبل کا ہے جب آپ نے حضرت ہاجرہ سے نکاح کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ قرآن میں صرف یہ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کی بشارت دی گئی۔

جس نے یہ کہا: اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت صبر سے بیان کی حضرت اسحاق علیہ السلام کی صفت بیان نہیں کی ارشاد فرمایا: وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ۝ (الانبیاء) وہ ان کا ذبح پر صبر کرنا تھا اس کی صفت صدق وعدہ سے بیان کی فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (مریم: 54) اس نے اپنے باپ سے صبر پر وعدہ کیا اور اسے پورا کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا

تو اسے ذبح کرنے کا کیسے حکم دے سکتے تھے جبکہ ان کے بارے میں یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ نبی ہونگے نیز یہ ارشاد فرمایا: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ۝ (ہود: 71) تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں وعدہ پورا ہونے سے قبل کیسے انہیں ذبح کا حکم ہوسکتا تھا۔

نیز یہ بھی وارد ہے کہ مینڈھے کے سینگوں کو بیت اللہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اگر ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا عمل بیت المقدس میں ہوتا۔ پس یہ استدلال نزاع کو ختم نہیں کرتا۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت اسحق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا کیسے حکم دیا جاسکتا ہے جبکہ ان کے بارے میں وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ نبی ہوں گے؟ کیونکہ اس کے بارے میں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ذبح کے حکم کے بعد ان کے لیے نبوت کی بشارت دی گئی ہو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس کی وضاحت بعد میں آئیگی ممکن ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد ہو تو یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں یہ تو مذکور نہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت حضرت اسحاق علیہ السلام سے ہوگی۔

جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ اگر ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہوتے تو ذبح کا عمل بیت المقدس میں ہوتا؟ اسکا جواب وہ ہے جو سعید بن جبیر نے دیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ذبیح دونوں میں سے کون ہے؟ یہ تیسرا مذہب ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ مقاتل نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین راتیں پے در پے خواب دیکھا۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسولوں کے پاس وحی بیداری اور نیند کی حالت میں آتی ہے کیونکہ انبیاء کے دل نہیں سوتے یہ حدیث میں ثابت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہم جو انبیاء کی جماعت ہیں ہماری آنکھیں سو جاتی ہیں ہمارے دل نہیں سوتے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اسی آیت سے استدلال کیا۔ سدی نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق کی ولادت سے قبل ہی ان کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ پھر وہ اللہ کے لیے ذبیح ہے انہیں خواب میں کہا گیا: تو نے ایک نذر مانی تھی تو اپنی نذر پوری کرو (1)۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: اللہ تعالیٰ تجھے اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جب آپ نے صبح کی تو آپ نے اپنے دل میں سوچا کیا یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی جانب سے ہے؟ تو اس کو یوم ترویہ کا نام دیا گیا جب اگلی رات ہوئی تو آپ نے وہی خواب دیکھا تو آپ کو وعدہ یاد دلایا گیا جب صبح کی تو پہچان گئے کہ یہ خواب اللہ کی جانب سے ہے تو اسے یوم عرفہ کا نام دیا گیا پھر تیسری رات بھی یہی خواب دیکھا تو آپ نے ذبح کا ارادہ کیا تو اسے یوم نحر کا نام دیا گیا۔

1۔ تفسیر بغوی

یہ روایت کی جاتی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تو حضرت جبریل امین نے کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر تو حضرت ذبیح علیہ السلام نے کہا: لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ اکبر وللہ الحمد۔ تو یہ تکبیر سنت بن گئی۔ اس امر کے وقوع میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اہل سنت نے کہا: نفس ذبح واقع نہیں ہوا ذبح کا امر ذبح کے وقوع سے پہلے واقع ہو گیا اگر یہ ذبح کا عمل ہو جاتا تو اس کے اٹھانے کا تصور نہ ہوتا یہ چیز فعل کے وقوع سے پہلے نسخ کے باب سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اگر ذبح کے امر کی اطاعت سے فراغت حاصل ہو جاتی تو فدیہ کا ثبوت نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آپ کو جس سے آگاہ کیا اس کو آپ نے ثابت کر دیا جو آپ کے لیے ممکن تھا وہ آپ کر گزرے پھر جب ہم نے تجھے روک دیا تو تم رک گئے۔ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا یہ اس میں صحیح ترین ہے۔

ایک طائفہ نے کہا: یہ ان چیزوں میں سے نہیں جو کسی وجہ سے منسوخ ہو کیونکہ ذبحت الشی کا معنی ہے میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا؛ مجاہد کے قول سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے۔ حضرت اسحاق نے حضرت ابراہیم سے عرض کی: لا تنظر الی فترحمنی ولکن اجعل وجھی الی الارض میری طرف مت دیکھنا کہ کہیں تمہیں مجھ پر رحم آ جائے بلکہ میرا چہرہ زمین کی طرف کر دینا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری لی اسے حضرت اسحاق کے حلق پر پھیرا تو وہ الٹی ہو گئی تو حضرت اسحاق نے پوچھا: تجھے کیا ہوا ہے؟ فرمایا: چھری الٹ گئی ہے۔ حضرت اسحاق نے کہا: اسے نیزے کی طرح مجھ میں چبھو دیں۔ بعض نے کہا: جب بھی آپ کوئی حصہ کاٹتے تو وہ جڑ جاتا۔ ایک طائفہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا حلق تانبے کا پایا یا تانبے سے ڈھکا ہوا پایا جب آپ اسے کاٹنے کا ارادہ کرتے تو اسے محفوظ پاتے۔ یہ سب قدرت الٰہیہ میں جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ سند صحیح ہو کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جس کو نظر و فکر سے نہیں جانا جا سکتا اس کے جاننے کا طریقہ خبر ہی ہے اگر یہ ایسا ہوا ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے ضرور بیان کرتا اور فدیہ کو بیان کرنے سے اس کی وضاحت کرنا زیادہ مناسب ہوتی۔

بعض علماء نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح حقیقی کا حکم نہیں دیا گیا تھا جس سے مراد رگوں کو کاٹنا اور خون بہانا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تھا کہ انہوں نے بیٹے کو ذبح کے لیے لٹایا ہے تو انہیں وہم ہوا کہ اسے ذبح حقیقی کا حکم دیا گیا ہے جب آپ نے وہ کام کر دیا جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا یعنی پہلو کے بل لٹانے کا تو آپ کو کہہ دیا گیا: قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ تعبیر مفہوم سے خارج ہے؛ خلیل اور ذبیح کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں اس امر سے وہ سمجھیں جو اس کا حقیقی معنی و مفہوم نہ ہو یہاں تک کہ دونوں کو وہم ہوا ہو۔ اگر یہ چیزیں صحیح ہوں تو فدیہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ عاصم کے علاوہ دوسرے کوفہ کے علماء نے اسے ماذا تُرِی پڑھا ہے یعنی تاء مضموم ہے اور راء مکسور ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے دیکھ تو سہی تو اپنے صبر اور جزع میں سے کیا دیکھتا ہے (1)۔ زجاج نے کہا: یہ قول اس کے علاوہ کسی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 61

اور نے نہیں کیا۔ علماء نے کہا: تو کیا رائے رکھتا ہے۔ ابو عبیدہ نے تری کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ آنکھ کے ساتھ دیکھنے کو خاص ہے۔ ابو حاتم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ آنکھ سے اور دوسری چیز سے دیکھنا ہے؛ یہی مشہور ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: أریتَ فلانا الصواب اریتہ رُشدہ تو نے فلاں کو صحیح خیال کیا ہے، تو نے اسے ہدایت یافتہ خیال کیا ہے؛ یہ آنکھ سے دیکھنا تو نہیں۔ باقی قراء نے تَرَی پڑھا ہے جو رایت کا مضارع ہے۔ ضحاک اور اعمش سے تُرِی مجہول کا صیغہ مروی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں یہ بات اس لیے نہیں کہی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں مشورہ کریں آپ نے ان سے اس لیے مشورہ کیا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ کے امر کے بارے میں اس کے صبر کو جان لیں یا تاکہ آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہو جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں اپنے بیٹے کی فرمانبرداری کو دیکھیں۔

قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اصل میں ماتؤمربہ ہے یہاں سے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے جس طرح اس قول سے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے

امرتُك الخیر فافعل ما أُمِرتَ بہ (1)

اصل میں بالخیر تھا فعل کو ضمیر کے ساتھ ملا دیا گیا تو یہ تؤمرہ ہو گیا پھر ضمیر کو حذف کر دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (النمل: 59) اصل میں اصطفاھم تھا جس طرح پہلے بحث گزر چکی ہے ما، الذی کے معنی میں ہے یعنی اہل اشارہ نے کہا: جب ان شاء اللہ کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے صبر کی توفیق دی۔ یا ابت اور یا بنی کے بارے میں گفتگو پہلے سورۂ یس وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ جب دونوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم نے فلما سلما قراءت کی انہوں نے اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے جب دونوں نے تابعداری کی۔ قتادہ نے کہا: جب ان دونوں میں سے ایک نے اپنا آپ اللہ کے سپرد کیا اور دوسرے نے اپنا بیٹا سپرد کر دیا۔ وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ قتادہ نے کہا: اسے منہ کے بل گرایا اس کے چہرہ کو قبلہ کی طرف کیا۔ بصریوں کے نزدیک لما کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہوگی فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ فدیناہ بکبش۔ کوفیوں نے کہا جواب: نَادَیْنٰهُ ہے واؤ زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ (یوسف: 15) یہ اوحیناہ ہے واؤ زائدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ اقْتَرَبَ (الانبیاء) یہ بھی اقترب تھا واؤ زائدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ (الزمر: 73) اصل میں قال تھا واؤ زائدہ ہے یعنی قال لھم۔ امرؤ القیس نے کہا:

فلما أجزنا ساحۃ وانتحی

اصل میں انتحی تھا واؤ زائد ہے یہ بھی کہا:

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 54

حتى إذا حملت بطونكم ورأيتم أبناءكم شبوا
وقلبتم ظهر المجن لنا إن اللئيم الفاجر الخب

یہاں تک کہ تمہارے پیٹوں نے اٹھایا اور تم نے اپنے بیٹوں کو دیکھا کہ وہ جوان ہو گئے۔ اور تم نے ہمارے لیے اپنی دشمنی کو ظاہر کر دیا بے شک کمینہ فاجر نقصان اٹھانے والا ہوتا ہے۔

یہاں بھی اصل میں قلبتم تھا واؤ زائدہ ہے۔

نحاس نے کہا: واؤ حروف معانی میں سے ہے اسے زائد کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ ذبیح نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ اے میرے والد! میرے اعضاء کو باندھ دو تاکہ میں نہ پھڑکوں، اپنے کپڑوں کو سمیٹ لو تاکہ میرے خون کا کوئی چھینٹا اس پر نہ پڑے کہ میری ماں دیکھے اور وہ غمگین ہو جائے، چھری کو میرے حلق پر جلدی چلانا تاکہ مجھ پر موت آسان ہو جائے، مجھے منہ کے بل لٹانا تاکہ تو میرے چہرے کو نہ دیکھے کہ تجھے مجھ پر رحم آ جائے اور میں چھری کو نہ دیکھوں کہ میں گھبرا جاؤں، جب تو میری ماں کے پاس جائے تو اسے میرا اسلام کہنا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گردن پر تانبا چڑھا دیا چھری نے کچھ عمل نہ کیا پھر اس کی پیشانی پر مارا اور پھر اس کی گدی میں اسے چلایا تو چھری نے کچھ عمل نہ کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ کا یہی معنی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا ہے: اس کا معنی ہے اسے اس کے منہ بل گرا دیا تو ندا دی گئی: يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا آپ متوجہ ہوئے تو وہاں ایک مینڈھا کھڑا تھا؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ اس کی عدم صحت کے بارے میں اشارہ پہلے گذر چکا ہے، معنی یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وجوب کا اعتقاد کر لیا اور عمل کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ ذبح کی حالت ہے اور یہ مذبوح کی صورت ہے دونوں نے ذبح کی جگہ فدیہ دے دیا وہاں چھری کا چلنا نہیں۔ اس تاویل کی بنا پر فعل کے بجالانے سے قبل نسخ کا ثبوت متحقق ہوتا ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جوہری نے کہا: وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ یعنی اسے نیچے لٹایا جس طرح تو کہتا ہے: کبه لوجهه اسے منہ کے بل گرا دیا۔ مہدوی نے کہا: تل کا معنی دھکا دینا اور گرانا ہے، اسی معنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: وتتركوك لِمَتَلِّك یہ لمصرعك کے معنی میں ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: فجاء بناقة كوماء فَتَلَّها وہ اونچی کہان والی اونٹنی لایا تو اسے بٹھایا۔ حدیث طیبہ میں ہے بينا أنا نائم أتيت بمفاتيح خزائن الأرض فَتُلَّتْ في يدي (1) اسی اثنا میں کہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں تو وہ میرے ہاتھ میں دے دی گئیں۔ ابن انباری نے کہا: میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں، یہ جملہ کہا جاتا ہے: تللتُ الرجل جب تو اسے گرائے۔ ابن اعرابی نے کہا: تو تیرے ہاتھ میں ڈال دی گئیں۔ تل کا معنی ڈالنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تُلَّ يُتَلُّ جب اسے انڈیلا جائے تَلَّ يَتِلُّ جب وہ گر جائے۔

بعض اہل اشارہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا پھر اپنے بچے کو محبت کی نظر سے دیکھا

1۔ صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب رؤیا اللیل، جلد 2، صفحہ 1036

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا محبوب مشترک محبت پر راضی نہ ہوا، اسے حکم دیا گیا: اے ابراہیم! میری رضا کی خاطر اپنے بچے کو ذبح کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آستین چڑھا لیں، چھری پکڑ لی، اپنے بچے کو پہلو کے بل لٹا دیا پھر یوں دعا کی: اے اللہ! اپنی رضا کی خاطر مجھ سے یہ قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اے ابراہیم! مقصود بچے کو ذبح کرنا نہیں تھا، مقصود یہ تھا کہ تو اپنے دل کو میری طرف پھیر دے جب تو نے اپنے دل کو کلیۃً میری طرف پھیر دیا تو ہم نے تیرا بچہ تیری طرف لوٹا دیا ہے۔

کعب اور دوسرے علماء نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ان کے بچے کے ذبح کو دکھایا گیا تو شیطان نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں نے اس مرحلہ میں آل ابراہیم کو آزمائش میں نہ ڈالا تو میں ان میں سے کسی کو بھی آزمائش میں نہ ڈال سکوں گا، شیطان نے ان کے سامنے ایک انسان کی شکل اختیار کی پھر اس بچے کی ماں کے پاس آیا پوچھا: کیا تو جانتی ہے ابراہیم تیرے بیٹے کو کہاں لے جا رہا ہے؟ کہا: نہیں۔ اس نے کہا: وہ اس کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ بچے کی ماں نے کہا: ہرگز نہیں وہ اس کے بارے میں اس سے زیادہ شفیق ہے۔ شیطان نے کہا: ابراہیم کا خیال ہے اس کے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے۔ بچے کی ماں نے کہا: اگر اس کے رب نے اسے اس کا حکم دیا ہے تو اسکا اپنے رب کی اطاعت کرنا بہت اچھا ہے۔ پھر شیطان بچے کے پاس آیا کہا: کیا تو جانتا ہے تیرا باپ تجھے کہاں لے جا رہا ہے؟ کہا: نہیں۔ کہا: وہ تجھے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ پوچھا: کیوں؟ کہا: اس کا گمان ہے کہ اس کے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے۔ بچے نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا ہے وہ اسے ضرور کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا پوچھا: تو کہاں کا ارادہ رکھتا ہے؟ اللہ کی قسم! میرا گمان ہے کہ شیطان تیرے پاس نیند کی حالت میں آیا ہے اس نے تجھے تیرا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام شیطان کو پہچان گئے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! مجھ سے دور ہو جا، اللہ کی قسم! میں اپنے رب کے حکم پر ضرور عمل کروں گا۔ ملعون نے ان سے کچھ حصہ نہ پایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ☆ پھر درمیانی جمرہ کے پاس شیطان آیا آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر آخری جمرہ کے پاس شیطان ان کے سامنے آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ چلا گیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لائے (1)۔

اس جگہ کے بارے میں اختلاف ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کا ارادہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم پر۔ ایک قول یہ کیا گیا: منیٰ میں قربان گاہ میں جمروں کے پاس جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکریاں ماری تھیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے! یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، محمد بن کعب اور سعید بن مسیب کا قول ہے۔

1۔ تفسیر بغوی

☆ تو جمرہ عقبہ کے پاس شیطان کے سامنے آیا تو آپ نے سات کنکریاں ماریں تو وہ چلا گیا۔

سعید بن جبیر سے یہ مروی ہے کہ آپ نے منیٰ میں ثبیر پہاڑ کے نیچے چٹان پر ذبح کیا تھا۔ ابن جریج نے کہا: آپ نے شام میں ذبح کیا تھا جو بیت المقدس سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔

پہلا قول اکثر بیان کیا گیا ہے کیونکہ احادیث میں یہ وارد ہے کہ مینڈھے کے سینگوں کو کعبہ کے ساتھ لٹکایا گیا تھا یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں ذبح کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اسلام کا ابتدائی دور تھا اس مینڈھے کا سر اپنے دونوں سینگوں کے ساتھ میزاب کعبہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا وہ خشک تھا۔

جس نے یہ کہا کہ ذبح کا عمل شام میں ہوا تھا اس نے سر کے لٹکانے کا یہ جواب دیا: ممکن ہے یہ سر شام سے مکہ مکرمہ کی طرف لایا گیا ہو؛ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ دینا و آخرت میں شدائد سے چھٹکارے کے ساتھ انہیں جزا دیں گے یہ ظاہر و باہر نعمت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: أبلاه الله إبلاء وبلاء جب وہ اس پر احسان کرے۔ بعض اوقات بلا بھی کہا جاتا ہے، زبیر نے کہا:

فَأَبْلَاهُمَا خَيْرَ الْبَلَاءِ الَّذِي يَبْلُو اس نے ان دونوں پر بہترین احسان وانعام کیا۔

ایک قوم کا گمان ہے یہ دونوں لفظوں کے ساتھ آیا ہے، دوسرے علماء نے کہا: بَلَاهُ يَبْلُوهُ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اس کا امتحان لے، اختبار کے لیے بَلَاهُ يَبْلُوهُ استعمال کرتے ہیں ابتلاء کے لیے يَبْلُوهُ کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ اختبار کی اصل یہ ہے کہ وہ بھلائی کی صورت میں ہو یا شر کی صورت میں ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً (الانبیاء:35) ابوزید نے کہا: یہ بھی اسی آزمائش میں سے تھا کہ ان پر یہ حکم نازل ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں۔ کہا: یہ ایسی آزمائش تھی جو پسندیدہ نہ تھی۔

مسئلہ نمبر 7۔ ذبح مذبوح کا اسم ہے اس کی جمع ذبوح آتی ہے جس طرح طحن مطحون کا اسم ہے۔ ذبح فتحہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہوتا ہے، عظیم سے مراد قدر و منزلت کی عظمت ہے اس سے عظیم الجثہ مراد نہیں اس کی قدر کو عظیم قرار دیا کیونکہ اس کے ساتھ ذبح کا فدیہ دیا اس وجہ سے اس کی عظیم صفت ذکر کی کیونکہ وہ عمل قبول ہوا۔ نحاس نے کہا: لغت میں عظیم کا لفظ کبیر اور شریف کے لیے بولا جاتا ہے۔ اہل تفسیر نے کہا: یہاں یہ شریف کے معنی میں استعمال ہوا ہے یا جو قبول ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ مینڈھا ہے جو حضرت ہابیل نے قربانی کے طور پر دیا تھا، یہ جنت میں چرتا پھرتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ حضرت اسماعیل کا فدیہ دیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد وہ مینڈھا ہے جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے بھیجا، یہ چالیس سال تک جنت میں چرتا رہا تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ پہاڑی بکروں میں سے نر کو دیا گیا جو ثبیر پہاڑ سے نیچے اترا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے اپنے بیٹے کے فدیہ کے طور ذبح کیا تھا؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھا، اسے پکڑا اسے ذبح کیا اور اپنے بیٹے کو آزاد کر دیا اے بیٹے! آج تو مجھے ہبہ کیا گیا ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: یہ قول

کیا گیا ہے آپ نے وعل فدیہ دیا، وعل سے مراد پہاڑی نر ہے۔ اہل تفسیر کا قول ہے کہ مینڈھے کو فدیہ کے طور پر دیا گیا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ غنم (بھیڑ بکری) کی قربانی اونٹ اور گائے سے افضل ہے؛ یہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے، انہوں نے کہا: قربانیوں میں سے بہترین بھیڑوں میں سے نر ہے، بھیڑوں میں سے مادہ، بکری کے نر سے بہتر ہے اور بکریوں میں سے نر، اونٹ اور گائے سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ ۔ یعنی جس کا جسم بھاری اور موٹا تھا یہ مینڈھا تو ہو سکتا ہے اونٹ اور گائے نہیں ہو سکتی۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے ایک آدمی نے پوچھا: میں نے نذر مانی ہے کہ میں اپنے بیٹے کو قربان کروں؟ فرمایا: تیرے لیے موٹا مینڈھا کافی ہے پھر یہ آیت پڑھی: وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝۔

بعض علماء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں مینڈھے سے افضل حیوان ہوتا تو اس کے ساتھ حضرت اسحاق کا فدیہ دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمگیں مینڈھوں کی قربانی دی جس کی اکثر قربانی دی جاتی ہے وہ مینڈھا ہی ہوتا ہے۔

ابن ابی شیبہ، ابن علیہ سے وہ لیث سے وہ مجاہد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ذبح سے مراد بڑی بکری ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کونسی چیز افضل ہے قربانی یا اس کی قیمت کا صدقہ؟ امام مالک اور آپ کے شاگردوں کا نقطہ نظر ہے: قربانی افضل ہے مگر منیٰ میں کیونکہ وہ قربانی کی جگہ نہیں؛ یہ ابو عمر نے حکایت بیان کی ہے۔ ابن منذر نے کہا: اسے ہم نے بلال سے روایت کیا ہے کہ کہا: مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں ایک مرغے کی قربانی کروں ایک یتیم کے ہاتھ میں دے دینا جو خاک نشین ہے، محدث نے اس طرح کہا ہے، مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس کی قربانی دوں؛ یہ امام شافعی کا قول ہے کہ صدقہ افضل ہے یہی امام مالک اور ابو ثور کا قول ہے۔ اس میں دوسرا قول بھی ہے ابو عمر اور امام احمد بن حنبل نے کچھ اضافہ کیا ہے انہوں نے کہا: قربانی صدقہ سے افضل ہے کیونکہ قربانی نماز عید کی طرح سنت مؤکدہ ہے اور یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ نماز عید تمام نوافل سے افضل ہے اسی طرح سنن تمام نوافل سے افضل ہے۔ ابو عمر نے کہا: قربانی کی فضیلت میں آثار حسن مروی ہیں ان میں سے ایک سعید بن داؤد سے مروی ہے وہ ابو زبیر سے وہ مالک سے وہ ثور بن زید سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''صلہ رحمی کے بعد کوئی نفقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے (قربانی کرنے) سے افضل نہیں'' (1)۔ ابو عمر نے کہا: یہ حدیث غریب ہے جو مالک سے مروی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: اے لوگو! قربانی دو اور خوش دلی سے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے بھی اپنی قربانی کو قبلہ رو لٹایا اس کا خون، اس کے سینگ اور اس کی اون قیامت کے روز اس کے میزان میں حاضر کیے جائیں گے کیونکہ خون اگرچہ مٹی میں واقع ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلا جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز قربانی کرنے والے کو اس کا پورا پورا حساب دیا جاتا ہے'' ابو عمر نے یہ روایت کتاب ''التمہید'' میں ذکر کی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یوم نحر کے اعمال

1۔ کنز العمال، جلد 5، صفحہ 102

میں سے کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں خون بہانے' قربانی دینے سے بہتر نہیں قیامت کے روز وہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذیشان مقام تک جا پہنچتا ہے، خوش دلی سے قربانی دیا کرو(1)''۔ کہا اس باب میں عمران بن حسین زید بن ارقم سے بھی یہ روایت مروی ہے، یہ حدیث حسن ہے(2)۔

مسئلہ نمبر 10۔ قربانی واجب نہیں بلکہ سنت اور معروف ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قربانی والے دن دو درہم دے کر مجھے بھیجتے میں ان کے لیے گوشت خرید کر لاتا اور کہتے: جس سے تو ملے تو اسے کہنا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قربانی ہے۔

ابو عمر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو مروی ہے کہ وہ قربانی نہیں دیا کرتے تھے اہل علم کے نزدیک اس کا مصداق یہ ہے کہ اس عمل پر دوام سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ عمل واجب وفرض ہے، وہ ائمہ تھے، مابعد لوگ ان کی اقتدا کیا کرتے تھے، دینی معاملات میں ان کی طرف دیکھا جاتا تھا کیونکہ یہ ہستیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے درمیان واسطہ تھیں ان کے لیے اس بارے میں ایسا اجتہاد جائز تھا جو کسی اور کے لیے جائز نہیں۔

امام طحاوی نے اپنی مختصر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کہا: قربانی مقیم لوگوں پر واجب ہے جبکہ وہ قربانی پاتے ہوں اور شہروں میں مقیم ہوں مسافر پر واجب نہیں کہا: آدمی پر اپنے چھوٹے بچے کی جانب سے قربانی اسی طرح واجب ہے جس طرح اس پر اپنی ذات کی جانب سے واجب ہوتی ہے۔

ابو عمر نے کہا: یہ امام مالک کا قول ہے۔ کہا: کسی کے لیے اسے ترک کرنا مناسب نہیں وہ مسافر یا مقیم ہو اگر اسے ترک کیا تو اس نے کتنا ہی برا عمل کیا ہاں جب اس کے لیے عذر ہو مگر منیٰ میں حاجی کے لیے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام شافعی نے کہا: تمام لوگوں پر سنت ہے منیٰ میں حاجیوں پر قربانی کرنا سنت ہے یہ واجب نہیں جو علماء اسے واجب قرار دیتے ہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ بن نیار کو حکم دیا کہ دوبارہ قربانی دے کیونکہ جو واجب نہ ہو اس کے دوبارہ بجالانے کا حکم نہیں دیا جاتا۔

دوسرے علماء نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''جب ذی الحجہ کا عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی دینے کا ارادہ کرے(3)'' انہوں نے استدلال کیا: اگر قربانی واجب ہوتی تو اس امر کو قربانی کرنے والے کے ارادہ کی طرف منسوب نہ کیا جاتا؛ یہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت ابو مسعود بدری اور حضرت بلال کا نقطہ نظر ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، باب ماجاء فی فضل الأضاحی، جلد 1، صفحہ 180

2۔ جامع ترمذی، کتاب الاضاحی باب ماجاء فی فضل الاضحیۃ، حدیث نمبر 1413، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الأضاحی، من اراد ان یضحی، صفحہ 234

مسئلہ نمبر 11۔ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جن جانوروں کی قربانی دی جاسکتی ہے ان کی آٹھ قسمیں ہیں: بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے (یعنی اس میں سے مذکر اور مونث)۔ ابن منذر نے کہا: حسن بن صالح سے مروی ہے کہا: جنگلی گائے کی سات افراد کی جانب سے قربانی دی جاسکتی ہے۔ ہرن کو ایک آدمی کی جانب سے قربانی دیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی نے کہا: اگر جنگلی بیل، پالتو گائے پر واقع ہوتا ہے یا پالتو بیل جنگلی گائے پر واقع ہوتا ہے تو ان سے جنم لینے والا جانور قربانی نہیں دیا جا سکتا۔ اصحاب رائے نے کہا: یہ جائز ہے کیونکہ اس کا بچہ ماں کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ابوثور نے کہا: اس کی قربانی جائز ہے جب وہ انعام کی طرف منسوب ہے (یعنی جب وہ انعام میں داخل ہے)۔

مسئلہ نمبر 12۔ ذبح کے وقت اور قربانی کا گوشت کھانے کے بارے میں مفصل گفتگو سورۃ الحج میں گذر چکی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سرمگیں سینگوں والے مینڈھے اپنے ہاتھ سے ذبح کیے بسم اللہ شریف پڑھی اور تکبیر کہی اور اپنے پاؤں کو اس کی پسلیوں پر رکھا(1)''۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کہہ رہے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر۔ سورۃ الانعام میں حضرت عمران بن حصین کی حدیث گذر چکی ہے اور سورۂ مائدہ میں ذبح کرنے کا طریقہ، اس کی وضاحت، جس کے ساتھ ذبح کیا جاتا ہے اور جنین کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے مفصل گذر چکا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ والے مینڈھے کا حکم دیا۔ فرمایا ''اے عائشہ! چھری لاؤ'' پھر فرمایا: ''اسے پتھر پر تیز کرو'' تو میں نے ایسا ہی کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری پکڑی اور اس مینڈھے کو پکڑا اسے پہلو کے بل لٹایا اور ذبح کیا پھر کہا: بسم اللہ اللھم تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد(2)، بسم اللہ، اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے قبول فرما پھر اسے چاشت کے وقت کھایا۔

علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے حضرت حسن بصری قربانی کے بارے میں کہا کرتے تھے: بسم اللہ واللہ اکبر ھذا منک ولک تقبل من فلان، بسم اللہ اللہ اکبر، یہ تیری جانب سے ہے، تیرے لیے ہے اسے فلاں سے قبول فرما۔ امام مالک نے کہا: اگر اس نے ایسا کیا تو بہت اچھا کیا اگر اس نے اس طرح نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے لیا تو یہ اسے کافی ہو جائے گا۔

امام شافعی نے کہا: ذبیحہ پر تسمیہ صرف بسم اللہ کے الفاظ ہیں اگر اس کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں سے کسی چیز کا اضافہ کیا یا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر درود شریف پڑھا تو میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا یا کہا: اے اللہ! اسے مجھ سے قبول فرمایا فلاں کی جانب سے قبول فرما تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام لینا میرے نزدیک مکروہ ہے میرے نزدیک یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت کہے: اے اللہ! فلاں کی جانب سے اسے قبول فرما اگر اس نے بسم اللہ کہنے سے قبل یا ذبح کے لیے لٹانے سے قبل ایسا کہا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ حضرت عائشہ کی حدیث اس قول کا رد کرتی ہے یہ بات پہلے گذر

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاضاحی، التکبیر عند الذبح، جلد 2، صفحہ 835

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، ما یستحب من الضحایا، جلد 2، صفحہ 30

چکی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا تو کہا تھا: اللہ اکبر و الحمد للہ تو یہ سنت کے طور پر باقی رہا۔

مسئلہ نمبر 13۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کن کن جانوروں کی قربانی سے بچنا چاہیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہا: ''چار'' حضرت براء اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے اور کہتے میرا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے چھوٹا ہے لنگڑی: ''جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، کانی جس کا کانا پن ظاہر ہو، بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، کمزور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو'' (1)۔ امام مالک کے الفاظ ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں تھوڑے سے عیب میں اختلاف ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان کو غور سے دیکھیں اور ہم مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی نہ دیں کہا: ''مقابلہ سے مراد ہے جس کے کان کی ایک طرف کٹی ہو، مدابرہ جس کے کان کی جانب کٹی ہوئی ہو، شرقاء جس میں شق ہے، خرقاء جس میں سوراخ ہو (2)'' کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مؤطا شریف میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ایسی ضحایا اور بُدن سے بچتے جو مسنہ نہ ہوں اور جن میں کوئی عیب ہو۔ امام مالک نے کہا: میں نے اس بارے میں جو کچھ سنا ہے اس میں سے یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ قتبی نے کہا: لم تُسنن کا معنی ہے جس کے دانت نہ اگے ہوں گویا اسے دانت دیئے ہی نہیں گئے یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: فلان لم یلبن یعنی اسے دودھ نہیں دیا گیا، لم یُسْمَن اسے گھی نہیں دیا گیا، لم یُعسَل اسے شہد نہیں دیا گیا یہ ایسے ہی ہے جیسے قربانیوں میں ہتماء (جس کے اگلے دانت جڑ سے ٹوٹے ہوئے ہوں) سے منع کیا گیا ہے۔ ابو عمر نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایسی بکری کو قربانی دیا جائے جس کے سامنے کے دانت جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں جبکہ اس کے دانت بڑھاپے کی وجہ سے ٹوٹے ہوں اور وہ موٹی ہو؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے اگر وہ بکری ابھی جوان ہو اور اس کے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اسے قربانی دینا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں اس کا عیب خفیف نہیں نقصان سب کا سب مکروہ ہے اس کی وضاحت اور تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے ''اپنی سواریوں کو موٹا کرو کیونکہ یہی پل صراط پر تمہاری سواریاں ہیں'' (3)۔

مسئلہ نمبر 14۔ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس آدمی نے نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کو نحر کرے گا یا اسے ذبح کرے گا تو وہ ایک مینڈھا اس کا فدیہ دے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا فدیہ دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان سے دوسری روایت بھی مروی ہے: وہ سو اونٹ ذبح کرے جس طرح عبد المطلب نے اپنے بیٹے کا فدیہ دیا تھا۔ امام شافعی نے یہ دونوں روایتیں ان سے نقل کی ہیں۔ قاسم بن محمد نے ان سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ کفارہ

1۔ جامع ترمذی، کتاب الأضاحی، ما لا یجوز من الأضاحی، جلد 1 صفحہ 181۔ ایضاً، حدیث 1417، ابوداؤد، حدیث 2420، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ مؤطا امام مالک، کتاب الضحایا، صفحہ 495　　3۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 55

یمین کافی ہو جائے گا۔ مسروق نے کہا: اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ امام شافعی نے کہا: یہ معصیت ہے وہ ایسی نذر ماننے پر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جس کی وجہ سے اولاد کے حق میں تو اس پر بکری ذبح کرنا لازم ہوگی اولاد کے علاوہ میں کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ امام محمد نے کہا: جس نے اپنے غلام کو نحر کرنے کی قسم اٹھائی تو اس پر اسی قسم کی چیز لازم ہوگی جیسی چیز اپنے بیٹے کو نحر کرنے کی وجہ سے لازم ہوتی تھی جب وہ اس قسم کو توڑے۔

ابن عبدالحکم نے امام مالک سے اس آدمی کے بارے میں روایت نقل کی ہے جو یہ کہتا ہے: میں اپنا بچہ مقام ابراہیم پر ذبح کروں گا، وہ یہ قسم اٹھاتا ہے پھر وہ اس قسم کو توڑ دیتا ہے تو اس پر ہدی لازم ہوگی۔ کہا: جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کرے گا اور مقام ابراہیم کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ کہا: جس نے اپنے بیٹے کو ہدی بنایا تو اس کی جانب سے ہدی دے۔ قاضی ابن عربی نے کہا: اس پر بکری لازم ہوگی جس طرح امام ابوحنیفہ نے کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرعی طور پر بچے کے ذبح کرنے کو بکری کا ذبح کرنا بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بچے کو ذبح کرنا لازم کیا تھا اور مینڈھے کے ذبح کرنے کے ساتھ اسے اس حکم سے فارغ کر دیا اسی طرح اگر کوئی غلام اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ بکری بھیڑ وغیرہ ذبح کردے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج:78) ایمان ایسی چیز ہے جو اصلاً لازم ہے اور نذر ایسی چیز ہے جو فرعی طور پر لازم ہے تو ضروری ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے۔ اگر یہ سوال کیا جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیسے ذبح کا حکم دیا جا سکتا ہے جبکہ یہ معصیت ہے اور معصیت کا حکم جائز نہیں ہوتا؟

ہم کہتے ہیں: یہ کتاب اللہ پر اعتراض ہے جو آدمی اسلام پر اعتقاد رکھتا ہے وہ ایسا نہیں کر سکتا تو وہ حلال وحرام کے بارے میں کیسے فتویٰ دے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اس بارے میں جو چیز لوگوں کے دلوں سے اس التباس کو دور کرتی ہے وہ یہ ہے کہ معاصی اور طاعات اعیان کے ذاتی اوصاف نہیں۔ بے شک طاعات وہ چیزیں ہیں کہ جس فعل کے ساتھ امر متعلق ہو اور معصیت سے مراد وہ چیز ہے کہ جس فعل کے ساتھ نہی متعلق ہو جب امر اس چیز سے متعلق تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیں تو یہی طاعت اور آزمائش ہو گئی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ کیونکہ بچے اور نفس کو ذبح کرنے پر صبر کرنا تھا جب ہمارے بارے نہی اس چیز سے متعلق ہے کہ ہم اپنے بیٹوں کو ذبح کریں تو یہی معصیت ہوگی۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ نذر کیسے ہو سکتی ہے جبکہ وہ معصیت ہے؟ ہم اس کا جواب یہ دیں گے: یہ معصیت ہوگی اگر وہ نذر کی وجہ سے بچے کے ذبح کا قصد کرتے اور اور فدیہ کی نیت نہ کرتے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: اگر ایسا واقع ہو جائے اس نے معصیت کا قصد کیا ہو اور فدیہ کی نیت نہ کی ہو؟ ہم کہیں گے: اگر اس نے اس کا قصد کیا ہو تو یہ چیز اس کے قصد میں اسے کوئی نقصان نہ دے گی اور اس کی نذر میں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ بچے کی نذر شرعی طور پر بھیڑ، بکری کے ذبح کی صورت بن گئی ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی ہم نے

ان کے بعد کی امتوں میں اچھی تعریف چھوڑی ہے کوئی بھی امت نہیں مگر وہ آپ پر درود پڑھتی ہے اور ان سے محبت کرتی ہے۔

ایک قول یہ کیا: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ (الشعراء) عکرمہ نے کہا: اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہے یعنی ہماری طرف سے سلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے آفات سے سلامتی ہے جس طرح ارشاد فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ جس طرح پہلے گذر چکا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی ان مومن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے عبودیت کا حق ادا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کے مستحق بن گئے۔

مسئلہ نمبر 16۔ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی نبوت کی بشارت دی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بشارت دو دفعہ دی گئی اسی وجہ سے کہا گیا کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں کہ انہیں نبوت کی بشارت اس بنا پر دی گئی کہ انہوں نے صبر کیا، اپنے رب کے حکم پر راضی ہوئے اور سر اطاعت خم کر دیا تو جزا کے طور پر یہ انعام ہوا۔

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ یعنی ہم نے ان دونوں پر نعمت کو دگنا کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے ان کی اولاد کو زیادہ کر دیا یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر برکتیں نازل کیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر برکتیں نازل کیں کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کو ان کی پشت سے نکالا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: علیہ میں ضمیر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہیں۔ مفضل نے کہا: صحیح جس پر قرآن پاک دلالت کرتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ذبیح کے قصہ کو بیان کیا جب قصہ کے آخر میں کہا: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ پھر فرمایا: سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فرمایا: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ۔ علیہ میں ضمیر سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا تھا پھر کہا: وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا یہ اس امر پر دال ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہے۔ راوی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کرتے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بڑے تھے۔ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی دی گئی تھی جب نص سے ثابت ہے کہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی تھی تو بے شک ذبیح بھی حضرت اسحاق علیہ السلام ہونگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دو دفعہ دی گئی: (1) بچے کی ولادت کی (2) اس کی نبوت کی جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اور نبوت بڑھاپے میں ہو گی۔

نَبِيًّا حال کی حیثیت سے منصوب ہے اور عَلَيْهِ میں ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں یہاں تک کہ ضمیر ان کی طرف لوٹے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہ کی سند سے یہ مروی ہے کہا میں نے ایک آدمی کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یوں خطاب کرتے ہوئے سنا: یا ابن الذبیحین نبی کریم ﷺ ہنس پڑے پھر حضرت معاویہ نے کہا: حضرت عبدالمطلب نے جب بئر زمزم کو کھودا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذر مانی اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس معاملہ کو آسان کر دیا تو وہ ضرور اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو ذبح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کنویں کے معاملہ کو ان کے لئے آسان کر دیا تو قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا ان کے ماموؤں نے حضرت عبدالمطلب کو اس امر سے روکا انہوں نے کہا: اپنے بیٹے کا فدیہ دو۔ حضرت عبدالمطلب نے سو اونٹوں کا فدیہ دیا پھر حضرت عبداللہ ذبیح ہوئے حضرت اسماعیل دوسرے ذبیح ہیں۔ اس بارے میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس کی سند ثابت نہیں جس طرح ہم نے کتاب الأعلام فی معرفة مولد المصطفٰی علیه الصلوٰة والسلام میں ذکر کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب چچا کو بھی اب کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ** (البقرۃ: 133) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ** (یوسف: 100) وہ دونوں اس کے والد اور اس کی خالہ تھی اسی طرح فرزدق شاعر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اگر اس کی سند صحیح ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ فرزدق کی ذات میں ہی اعتراض کی گنجائش موجود ہے؟

مسئلہ نمبر 17۔ **وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ** جب اولاد میں کثرت اور برکت کا ذکر کیا تو فرمایا: ان میں سے کچھ سیاہ کار ہونگے، سیاہ کار کو نبی کا بیٹا ہونا کوئی نفع نہ دے گا(1) یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق کی اولاد ہیں اور عرب اگرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں تب بھی محسن اور مسئ، مومن اور کافر میں فرق ضروری ہے قرآن حکیم میں ہے: **وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ** (مائدہ: 18)

وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ نَجَّیْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَ نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ اٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَ هَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

''ہم نے احسان فرمایا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر۔ اور ہم نے بچالیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم و اندوہ سے۔ اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے وہی غلبہ پانے والے۔ اور ہم نے بخش دی ان دونوں کو ایسی کتاب جو نہایت واضح ہے۔ اور ہم نے ہدایت دی انہیں سیدھے راستہ کی۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں، سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام

1۔ کافر: کفر کی صورت میں ہی یہ رشتہ کوئی نفع نہ دے گا ورنہ گنہگار کے لیے تو شفاعت ثابت ہے۔ (مترجم)

کرنے والوں کو۔ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں''۔

جب اس امر کا ذکر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح ہونے سے نجات دی اور نبوت کے بعد جوان پر احسان کیا ساتھ یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ علیہما السلام پر جو احسان کیا۔ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۞ سے مراد وہ غلامی ہے جو بنی اسرائیل کو لاحق ہوئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فرعون غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل اس سے بچ گئے تھے۔

وَنَصَرْنٰهُمْ فراء نے کہا: ضمیر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لئے ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دو بھی جمع ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاٰتَيْنٰهُمَا اور وَهَدَيْنٰهُمَا ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ھم ضمیر حضرت موسیٰ، حضرت ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کے لئے ہے، یہی درست ہے کیونکہ اس سے قبل وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا ہے۔

الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۞ سے مراد تورات ہے یوں کہا جاتا ہے، واستبان کذا یعنی وہ واضح ہو گیا استبانہ فلان فلان نے اسے واضح کر دیا۔ یہ اس کی مثل ہے تبین الشئ بنفسہ اور تبینتہ فلان۔

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۞ سے مراد دین قویم ہے جس میں کوئی کجی نہیں وہ دین اسلام ہے وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۞ سے مراد اچھی تعریف ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۞ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۞ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گذر چکی ہے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۞ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۞ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۞ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۞ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ۞ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۞ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

''اور بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں، کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑتے ہو احسن الخالقین کو یعنی اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں پکڑ کر حاضر کیا جائے گا بجز اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں، سلام ہو الیاس پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں''۔

مفسرین نے کہا: حضرت الیاس بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسرائیل

سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور الیاس سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور یوں قراءت کی وان ادریس؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ کہا: حضرت عبداللہ کے مصحف میں وانّ ادریس لمن المرسلین تھا حضرت عبداللہ بن مسعود یہ قول کرنے میں منفرد ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اس سے مراد حضرت یسع کے چچا ہیں (1)۔ ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت یوشع کے بعد بنی اسرائیل کے معاملات کے نگران حضرت کالب بن یوقنا تھے پھر حضرت حزقیل تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت حزقیل نبی کو موت عطا کردی تو بنی اسرائیل میں بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھول گئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس کو نبی بنا کر معبوث کیا اور حضرت یسع ان کے پیچھے آئے وہ حضرت الیاس پر ایمان لائے جب بنو اسرائیل نے ان پر سرکشی کی تو انہوں نے اپنے رب کے حضور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے ان سے نجات عطا کریں تو انہیں کہا گیا: فلاں دن فلاں جگہ کی طرف نکلو جو چیز بھی تیرے سامنے آئے اس پر سوار ہو جاؤ اور اس سے خوفزدہ نہ ہونا۔ آپ نکلے اور ان کے ساتھ حضرت یسع بھی تھے عرض کی: اے الیاس! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ حضرت الیاس نے اوپر کی جانب سے ان کے اوپر اپنی چادر پھینک دی۔ یہ بنی اسرائیل پر انہیں نائب بنانے کی علامت تھی۔ یہ حضرت الیاس کا حضرت یسع کے ساتھ آخری وقت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس علیہ السلام سے کھانے اور پینے کی لذت کو ختم کر دیا اسے پر عطا کئے اور نور کا لباس پہنایا اور وہ فرشتوں کے ساتھ اڑ گئے وہ انسان، فرشتہ آسمانی اور زمینی ہو گئے (2)۔

ابن قتیبہ نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس سے فرمایا: مجھ سے سوال کر میں تجھے عطا کروں گا۔ حضرت الیاس نے عرض کی: تو مجھے اپنی طرف اٹھالے اور مجھ سے موت کے ذائقے کو مؤخر کر دے تو وہ فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے۔ بعض نے کہا: آپ مریض ہوئے اور موت کی آہٹ کو محسوس کیا اور روئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: تو کیوں روتا ہے؟ دنیا کی حرص میں یا موت کی گھبراہٹ سے یا آگ کے ڈر سے؟ عرض کی: نہیں تیری عظمت وجلال کی قسم! ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، میری گھبراہٹ یہ ہے میرے بعد حمد کرنے والے کیسے حمد کریں گے جبکہ میں تیری حمد نہیں کروں گا؟ میرے بعد ذکر کرنے والے کیسے تیرا ذکر کریں گے جبکہ میں تیرا ذکر نہیں کروں گا؟ میرے بعد روزے دار کیسے روزے رکھیں گے جبکہ میں روزہ نہ رکھوں گا؟ وہ کیسے تیری نماز پڑھیں گے جبکہ میں نماز نہیں پڑھوں گا؟ اسے کہا گیا: اے الیاس! میری عزت کی قسم میں تجھے اس وقت تک مہلت دوں گا جس میں کوئی ذاکر میرا ذکر نہیں کرے گا یعنی قیامت کے دن تک تجھے مہلت دوں گا۔

عبدالعزیز بن رواد نے کہا: حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال بیت المقدس میں رمضان شریف کے مہینہ میں روزے رکھتے ہیں، وہ ہر سال حج کرتے ہیں۔ ابن ابی دینا نے ذکر کیا ہے کہ جب حج کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ماشاء اللہ ماشاء اللہ جو نعمت بھی ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے ماشاء اللہ ماشاء اللہ توکلت علی اللہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل سورۂ کہف میں گذر چکا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی

2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 64

مکحول کی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ کیا یہاں تک کہ ہم ایک پتھر کے پاس اونٹنی کی گذرگاہ میں تھے اچانک ہم آواز سن رہے تھے جو آدمی کہہ رہا تھا: اللّٰھم اجعلنی من امۃ محمد المرحومۃ المغفورۃ لھا المتوب علیھا المستجاب لھا۔ اے اللہ مجھے حضرت محمد ﷺ کی امت میں سے بنا دے جو مرحومہ، مغفورہ ہے جس کی توبہ قبول کی جاتی ہے اور جس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے انس! دیکھو یہ آواز کیسی ہے؟" تو میں پہاڑ کے اندر چلا گیا تو اچانک میں ایک آدمی کے پاس تھا جس کی داڑھی اور سر کے بال سفید تھے جس کے جسم پر سفید کپڑے تھے اس کی لمبائی تین سو ہاتھ تھی جب اس نے مجھے دیکھا تو کہا: تو نبی کا بھیجا ہوا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اس کی طرف واپس جایئے اسے میرا اسلام کہنا اور اس سے کہنا: یہ تیرا بھائی الیاس ہے جو تیری ملاقات چاہتا ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے جبکہ میں ان کے ساتھ تھا یہاں تک کہ جب ہم ان کے قریب ہوئے تو وہ نبی کریم ﷺ کی طرف آگے بڑھے اور میں پیچھے ہٹ گیا، دونوں نے طویل گفتگو کی، دونوں پر آسمان سے کوئی چیز نازل ہوئی جو دستر خوان کے مشابہ تھی، دونوں نے مجھے بلایا تو میں نے ان دونوں کے ساتھ کھایا اس میں کھمبی، انار اور اجوائن تھی۔ جب میں نے کھانا کھالیا تو میں اٹھ گیا اور ایک طرف ہو گیا۔ ایک بادل آیا جس نے اسے اٹھالیا جبکہ میں ان کے کپڑوں کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں یہ کھانا جو ہم نے کھایا ہے کیا یہ آسمان سے نازل ہوا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تھا تو انہوں نے کہا: حضرت جبریل امین ہر چالیس دنوں میں ایک دفعہ کھانا لاتے ہیں اور ہر سال میں ایک دفعہ زمزم کا پانی لاتے ہیں بعض اوقات میں نے انہیں گھرے کنویں پر دیکھا وہ ڈول بھرتے اور خود پیتے اور بعض اوقات مجھے بھی پلایا" (1)۔

ثعلب نے کہا: علماء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان بعلا میں اختلاف کیا ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: یہاں بعل سے مراد بت ہے۔ ایک جماعت نے کہا: یہاں بعل سے مراد فرشتہ ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: اس سے مراد عورت ہے جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے؛ پہلا قول اکثر علماء کا ہے۔

حکم بن ابان، عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ یہاں بعل سے مراد بت ہے۔ عطا بن سائب، عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بعلا کا معنی رب ہے۔ نحاس نے کہا: دونوں قول صحیح ہیں کہا: تم بت کی عبادت کرتے ہو جسے تم نے رب بنایا ہوا ہے یہ جملہ بھی کہا جاتا ہے: ھذا بعل الدار یہ گھر کا مالک ہے معنی ہوگا: کیا تم اسے رب کہتے ہو جسے تم نے خود گھڑا ہے؟ اتدعون یہ اتسمون کے معنی میں ہے کیا تم اسے یہ نام دیتے ہو، یہ سیبویہ نے بیان کیا ہے۔

مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی نے کہا: یمن کی لغت میں بعل کا معنی رب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک یمنی آدمی

1۔ امام ذہبی نے "التلخیص" میں اس روایت پر سخت جرح کی ہے۔

کو کہتے ہوئے سنا جو منیٰ میں اونٹنی چرا رہا تھا: من بعل ھذہ یعنی اسکا مالک کون ہے؟ اسی وجہ سے خاوند کو بعل کہتے ہیں۔ ابو داؤد نے کہا:

ورأیتُ بَعْلَكِ فی الوغَی مُتقلِّدا سیفًا ورمُحًا

میں نے تیرے خاوند کو جنگ میں دیکھا جو تلوار اور نیزہ سنبھالے ہوئے تھا۔

مقاتل نے کہا: بعل سے مراد وہ بت ہے جسے حضرت الیاس نے توڑا اور ان لوگوں کے پاس سے بھاگ گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بت سونے کا تھا، اس کی لمبائی بیس ہاتھ تھی اس کے چار منہ تھے اس کی وجہ سے لوگ آزمائش میں مبتلا ہوئے، لوگوں نے اس بت کی تعظیم کی یہاں تک کہ اس کی خدمت پر سو آدمی لگائے اور ان افراد کو اس کے انبیاء بنایا شیطان بعل کے پیٹ میں داخل ہوتا اور گمراہی کی باتیں کرتا خدام انہیں یاد کرتے اور لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم دیتے یہی لوگ شام کے علاقہ میں اہل بعلبک کہلاتے اسی وجہ سے ان کے شہر کا نام بعلبک پڑ گیا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ۝ اس کے لئے جو نام ذکر کئے جاتے ہیں ان میں بہترین خالق ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ معنی ہے وہ بہترین صانع ہے کیونکہ لوگ بناتے ہیں تخلیق نہیں کرتے۔

اللّٰہَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ تینوں اسماء منصوب ہیں۔ ربیع بن خثیم، حسن بصری، ابن ابی اسحاق، ابن وثاب، اعمش، حمزہ اور کسائی نے اسی طرح پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ابو عبید نے کہا: یہ صفت ہیں۔ نحاس نے کہا: یہ غلط ہے یہ بدل کی حیثیت سے منصوب ہیں یہاں صفت بنانا جائز نہیں کیونکہ یہاں تحلیہ نہیں۔

ابن کثیر، ابو عمرو، عاصم، ابو جعفر، شیبہ اور نافع نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے ھواللہ ربکم نحاس نے کہا: جو کہا اس میں سے بہترین یہ ہے یہ کلام مبتدا خبر ہے نہ اضمار ہے اور نہ ہی حذف ہے۔

میں نے علی بن سلیمان کو دیکھا کہ وہ اس طرف گئے ہیں رفع دینا زیادہ بہتر اور اچھا ہے کیونکہ اس سے قبل آیت کا سرا ہے پس نئے سرے سے کلام شروع کرنا اولیٰ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے نصب دی یا رفع دیا اس نے اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ پر مکمل وقف نہیں کیا کیونکہ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس سے مراد ہے۔

حضرت الیاس کی قوم کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے حضرت الیاس کو جھٹلایا پس وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے مگر ان کی قوم کے مخلص لوگ عذاب سے نجات پائیں گے اسے المخلصین پڑھا ہے۔ یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اعرج، شیبہ اور نافع کی قراءت آل یاسین۔ عکرمہ، ابو عمرو، ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے الیاسین قراءت کی ہے حضرت حسن بصری نے سلام علی الیاسین الف کو وصلیہ کرتے ہوئے پڑھا ہے گویا اصل میں یاسین تھا اس پر الف، لام تعریف کا داخل ہوا ہے اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہیں اسی پر سلام واقع ہوا ہے لیکن یہ عجمی اسماء میں منصوب ہو جاتے ہیں وہ اکثر اس میں تبدیلی کر دیتے ہیں۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 65

ابن جنی نے کہا: عرب عجمی اسماء میں کھیلتے رہتے ہیں یاسین، الیاس اور الیاسین ایک ہی چیز ہے۔ زمخشری نے کہا: جب وصل کرتے تو نصب دیتے اور جب وقف کرتے تو رفع دیتے اسے علی الیاسین ادریسین، ادرسین اور ادراسین پڑھتے یہ الیاس اور ادریس کی لغتیں ہیں شاید سریانی زبان میں یاء اور نون کی زیادتی کی کوئی حکمت ہو۔ نحاس نے کہا: جس نے سلام علی آل یاسین پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس نے اس کا اسم الیاس اور یاسین بنایا ہے پھر اس کی آل یعنی اس کے شہر والوں اور جو اس کے مذہب والے تھے ان پر سلام بھیجا اس سے یہ بات معلوم ہوگئی ہے جب اس کی وجہ سے اس کی آل پر سلام بھیجا گیا تو وہ اس سلامتی میں بدرجہ اولیٰ داخل ہوگا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللھم صل علی آل ابی اوفی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۝ (غافر) جس نے الیاسین پڑھا ہے علماء کے اس میں کئی اقوال ہیں۔ ہارون نے ابن ابی اسحاق سے روایت نقل کی ہے کہ الیاسین، ابراہیم کی مثل ہے وہ اس طرف گیا ہے کہ یہ نام ہے۔ ابو عبیدہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ جمع سالم ہے کیونکہ ان پر اور ان کے اہل بیت پر سلام بھیجا گیا ہے اس نے یہ شعر پڑھا ہے:

قَدْنِیَ من نَصْرِ الْخُبَیْبِین قَدِی

یہ کہا جاتا ہے قدنی اور قدی دو لغتیں ہیں ان کا معنی حسب یعنی کافی ہے وہ ابو حبیب عبداللہ بن زبیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو جمع بنانا کہ جو بھی ان کے طریقہ پر تھا وہ اس کے ساتھ ہے۔ ابو عبیدہ کے علاوہ علماء نے اسے الخُبَیْبَیْن تثنیہ نقل کیا ہے اس سے مراد عبداللہ اور مصعب ہیں علی بن سلیمان اس سے زیادہ وضاحت کرتا ہے۔ کہا: عرب کسی قوم کا نام اپنے میں سے جلیل القدر آدمی کے نام پر رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں: مہالبہ انہوں نے اپنے میں سے ہر آدمی کا نام مہلب کے نام پر رکھ دیا کہا اسی تاویل پر سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ۝ ہے۔ ان میں سے یہ ایک الیاس کا نام دیا گیا۔ سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس میں سے کچھ ذکر کیا ہے مگر اس نے یہ ذکر کیا عرب اس نسبت کے طریقہ پر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اشعرون اس سے وہ نسبت کا ارادہ کرتے ہیں۔

مہدوی نے کہا: جس نے الیاسین پڑھا تو یہ جمع کا صیغہ ہے جس طرح جمع مکسر میں سے یاء نسبت حذف ہو جاتی ہے جس طرح مہالبہ، مہلبی کی جمع ہے اسی طرح جمع سالم میں بھی اسی طرح حذف ہے پس مھلبون کہا گیا سیبویہ نے حکایت کی ہے۔ اشعرون، نمیرون اس سے وہ اشعریین اور نمیریین مراد لیتے ہیں۔

سہیلی نے کہا: یہ صحیح نہیں بلکہ یہ الیاس میں لغت ہے جو کچھ انہوں نے کہا اگر اس کا ارادہ ہوتا تو الف، لام داخل کیا جاتا جس طرح المھالبہ اور الاشعریین میں داخل کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے: سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ۝ کیونکہ علم کی جب جمع بنادی جاتی ہے تو وہ نکرہ کے حکم میں ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر الف، لام داخل کیا جاتا ہے تو یہ نہیں کہتا: سلام علی زیدین بلکہ تو کہتا ہے: سلام علی الزیدین۔

الیاس کے لفظ میں تین لغتیں ہیں۔ نحاس نے کہا: ابو عبیدہ نے اپنی قراءت میں سلام علی الیاسین سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ بھی آپ کا نام ہے جس طرح الیاس ان کا نام ہے کیونکہ سورت میں ان کے علاوہ کسی آل پر سلام نہیں جس طرح دوسرے انبیاء کا نام ذکر کیا گیا ہے اسی طرح ان کا نام بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ استدلال اصل میں ابو عمرو کا ہے جو غیر لازم ہے

کیونکہ اہل لغت کے قول کو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی کی وجہ سے اس کی آل پر سلام بھیجا جائے تو اس کی ذات پر بھی سلام ہوتا ہے۔ یہ قول کہ اس کا نام الیاسین تھا وہ دلیل اور روایت کا محتاج ہے اس معاملہ میں اشکال واقع ہو گیا ہے۔ ماوردی نے کہا: حضرت حسن بصری نے پڑھا ہے سلام علی یاسین اس میں الف اور لام کو ساقط کر دیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں: (1) ان سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے (2) ان سے مراد حضرت یاسین کی آل ہے اس تعبیر کی بنا پر یاسین میں زیادتی میں دو وجہیں ہیں: (1) اس لئے زیادتی کی گئی تا کہ آیات برابر ہو جائیں جس طرح ایک موقع پر طور سیناء اور دوسرے موقع پر طور سینین فرمایا، اس صورت میں سلام ان کے اہل پر ہوگا اور ان کی ذات پر نہیں ہوگا، اس صورت میں اضافت شرافت کو ظاہر کرنے کے لیے ہوگی۔

(2) جمع کرنے کے لیے داخل ہوا ہے پس حضرت یاسین بھی ان میں داخل ہیں پس سلام ان پر اور ان کی آل پر ہوگا سہیلی نے کہا: متکلمین نے معانی القرآن میں کہا: آل یاسین سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔ اس قول کی طرف وہ گئے ہیں جنہوں نے یٰس کی تفسیر میں کہا: یا محمد! یہ قول بہت سی وجوہ سے باطل ہے۔

(1) سیاق کلام الیاسین کے قصہ میں ہے تو لازم ہے کہ یہ اس طرح ہو جس طرح حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے قصہ میں ہے اور سلام ان پر لوٹ رہا ہے یہاں بھی سلام الیاس کی طرف لوٹے گا کلام کو مقصود سے نکالنے کا کوئی معنی نہیں، اگر یہ قول کیا بھی جائے تو یہ کسی اور آیت میں بھی کہا جا سکتا ہے جبکہ اس قول میں ضعف موجود ہے کیونکہ یٰس حم اور الم وغیرہ ان سب میں ایک قول ہے وہ یہ کہ یہ حروف مقطعات ہیں یا تو یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ماخوذ ہیں جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یا قرآن کی صفات سے ماخوذ ہیں یا اس طرح جس طرح امام شعبی نے کہا ہے: اللہ کی ہر کتاب میں راز ہیں قرآن حکیم میں اس کا راز سورتوں کے آغاز ہیں نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لی خمسة اسماء (1) میرے پانچ نام ہیں ان میں یٰس، کا ذکر نہیں ہے نیز یٰس میں تلاوت سکون اور وقف کی صورت میں آتی ہے اگر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہوتا تو یہ مضموم ہوتا یاسین جس طرح فرمایا: یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ (یوسف: 46) پس جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کی وجہ سے یہ قول باطل ہو گیا تو الیاسین وہ مذکورہ الیاس ہے اور اسی پر سلام ہے۔

ابو عمرو بن العلاء نے کہا: یہ ادریس اور ادراسین کی طرح ہے۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں یہ اس طرح ہے وان ادریس لمن المرسلین پھر فرمایا: سلام علی ادراسین۔

وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَ بِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

''اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ یاد کرو جب بچا لیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1 صفحہ 501

کو بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی، پھر ہم نے برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو۔ اور تم گزرتے رہتے ہو ان کے اجڑے دیاروں پر صبح کے وقت اور رات کے وقت کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے''۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ پہلے گذر چکا ہے یعنی بعد والوں کو عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیا وَ اِنَّكُمْ میں عربوں کو خطاب ہے یعنی تم صبح کے وقت ان کے مکانات اور آثار کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کے وقت بھی تم گزرتے رہتے ہو کیا تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور تدبر نہیں کرتے۔

وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

''اور بے شک یونس بھی ہمارے رسولوں میں سے ہیں۔ جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف سوار ہونے کے لئے پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے، پس نگل لیا انہیں حوت نے درآنحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ الله کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت یونس ہی ذوالنون ہیں جو متی کے بیٹے ہیں یہ اسی بوڑھی کے بیٹے ہیں جس کے پاس حضرت الیاس علیہ السلام ٹھہرے تھے چھ ماہ تک حضرت الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے چھپے رہے جبکہ حضرت یونس دودھ پیتے بچے تھے حضرت یونس علیہ السلام کی والدہ خود ہی ان کی خدمت کرتی اور موانست کیا کرتی تھی اور جس پر بھی قدرت ہوتی حضرت الیاس کی تکریم کی خاطر ذخیرہ نہ کرتی۔ حضرت الیاس علیہ السلام گھر والوں کی تنگی سے اکتا گئے اور پہاڑوں کی طرف چل دیئے، اس عورت کا بیٹا حضرت یونس فوت ہو گیا وہ عورت حضرت الیاس کے پیچھے نکل کھڑی ہوئی وہ ان کے پیچھے پہاڑوں میں سرگرداں رہی یہاں تک کہ انہیں تلاش کر لیا اس عورت نے سوال کیا کہ وہ اس کے حق میں الله تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں ممکن ہے الله تعالیٰ اس کے بیٹے کو زندہ کر دے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بچے کی وفات کے چودہ ماہ بعد آئے وضو کیا، نماز پڑھی الله تعالیٰ کے حضور دعا کی تو الله تعالیٰ نے یونس بن متی کو حضرت الیاس علیہ السلام کی دعا سے زندہ کر دیا اور الله تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اہل نینویٰ کی جانب بھیجا جو موصل کے علاقہ میں بستی تھی وہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے پھر وہ توبہ تائب ہوئے جیسا کہ اس کی وضاحت سورۂ یونس میں اور سورۂ انبیاء میں حضرت یونس علیہ السلام کے غصہ کی حالت میں وہاں سے نکل جانے کے بارے میں گذر چکی ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس سے قبل تھی جب مچھلی نے انہیں نگلا تھا یا اس کے بعد ہوئی تھی۔

طبری نے شہر بن حوشب سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت یونس علیہ السلام کے پاس آئے فرمایا: نینویٰ کے پاس جاؤ انہیں خبر دار کرو کہ عذاب ان کے پاس آنا چاہتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: میں سواری تلاش کرلوں حضرت جبریل امین نے کہا: معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: میں جوتے تلاش کرلوں؟ حضرت جبریل امین نے کہا: معاملہ اس سے بھی زیادہ جلدی والا ہے۔ کہا: حضرت یونس علیہ السلام غصہ میں آگئے کشتی کی طرف چلے اور اس میں سوار ہو گئے جب کشتی پر سوار ہوئے تو کشتی نہ آگے جاتی تھی اور نہ پیچھے ہوتی تھی کہا: انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا مچھلی دنب ہلاتی ہوئی آئی تو مچھلی کو ندا کی گئی: اے مچھلی! ہم نے یونس کو تیرا رزق نہیں بنایا ہم نے تجھے اس کے لئے پناہ گاہ اور مسجد بنایا ہے مچھلی نے انہیں وہاں سے لقمہ بنالیا یہاں تک کہ وہ ابلہ سے گزری پھر وہ انہیں لے کر چلی یہاں تک کہ دجلہ کے پاس سے گذری پھر وہ چلی یہاں تک کہ انہیں نینویٰ میں جا پھینکا۔

حرث، حسن سے وہ ابو ہلال سے وہ شہر بن حوشب سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس وقت شروع ہو گئی تھی جب مچھلی نے انہیں باہر پھینکا تھا۔ ان لوگوں نے یہ استدلال کیا کہ رسول، اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر نہیں نکلتا جو کچھ ہوا وہ نبوت سے پہلے تھا۔

دوسرے علماء نے یہ کہا ہے: یہ واقعہ اس کے بعد ہوا کہ آپ نے لوگوں کو دعوت دی جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا تھا آپ نے لوگوں کو ان کی طرف دعوت دی تھی جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا انہیں رسالت کی تبلیغ کی تھی لیکن ان سے وعدہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب جس سے انہیں وہ ڈرا رہے ہیں ایک مخصوص وقت میں ان پر نازل ہوگا۔ جب لوگ توبہ تائب نہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف نہ لوٹے تو حضرت یونس علیہ السلام ان سے علیحدہ ہو گئے جب قوم پر عذاب سایہ فگن ہو گیا اور ان پر چھا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سے عذاب کو اٹھا لیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا اس عذاب کے اٹھ جانے اور ان کی سلامتی کی خبر پہنچی تو اس وجہ سے وہ غضبناک ہو گئے کہا: میں نے ان سے وعدہ کیا تھا تو اس نے مجھے جھٹلا دیا اور زیادتی کی، وہ اپنے رب سے سخت ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور ان کی طرف لوٹنے کو ناپسند کیا جبکہ لوگوں نے ان کے جھوٹے ہونے کا تجربہ کر لیا تھا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے یہ بحث سورۃ الانبیاء میں گذر چکی ہے اور وہی صحیح ہے جس طرح اس کا ذکر: وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ میں آئے گا لفظ یونس منصرف نہیں کیونکہ یہ عجمی نام ہے اگر یہ عربی ہوتا تو منصرف ہوتا اگرچہ اس کے آغاز میں یاء ہے کیونکہ افعال میں یفعل کا وزن نہیں جس طرح تو کسی کا نام یعفر رکھے تو تو اسے منصرف پڑھے گا اگر تو کسی کا نام یَعفِر پڑھے تو تو اسے منصرف نہیں پڑھے گا۔

مسئلہ نمبر 2۔ مبرد نے کہا: ابق کا اصل معنی دور ہونا ہے اسی سے غلام آبق ہے دوسرے علماء نے یہ کہا ہے: حضرت یونس علیہ السلام بھاگ کھڑے ہوئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر لوگوں سے چھپتے ہوئے نکل گئے تھے۔

مشحون کا معنی ہے بھری ہوئی فلک مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہو سکتا ہے یہ واحد و جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ترمذی حکیم نے کہا: حضرت یونس علیہ السلام کا نام آبق رکھا کیونکہ وہ عبودیت سے بھاگے تھے کیونکہ عبودیت کا مفہوم ہے خواہش نفس کو چھوڑنا اور اللہ تعالیٰ کے امور کے موقع پر اپنی جان قربان کر دینا۔ جب فرشتے کی جانب سے سختی ہوئی تو انہوں نے اپنے نفس کی قربانی نہ دی جس کی وضاحت سورۃ الانبیاء میں پہلے گذر چکی ہے اور اپنی خواہش نفس کو ترجیح دی تو ان پر آبق کا نام لازم آ گیا۔ فرشتہ کی جانب سے سختی اللہ تعالیٰ کے امر میں تھی اپنے ذاتی امر میں نہ تھی اللہ تعالیٰ کے حق کے متعلق تھی اپنے حق کے متعلق نہ تھی حضرت یونس علیہ السلام نے سختی کی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو درست بات تھی اس کو نہ پایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے آبق اور ملیم کا نام دیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ مبرد نے فساھم کا معنی کیا ہے اس نے قرعہ اندازی کی اس کی اصل وہ تیر ہیں جو گھمائے جاتے ہیں تو وہ مغلوبین میں سے ہو گیا (1)، فراء نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے دحضت حجتہ و داد حضھا اللہ۔ اسکا اصل معنی پھسلنا ہے؛ شاعر نے کہا:

قَتَلْنا المُدْحَضِينَ بكُلِّ فَجٍّ فقد قرَّتْ بقتلِهِمُ العيونُ (2)

ہم نے ہر ایک راستہ پر مغلوبین کو قتل کیا ان کے قتل سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ مچھلی نے اسے نگل لیا جبکہ اس نے ایسا کام کیا جس پر ملامت کی جاتی ہے: ملوم اسے کہتے ہیں جس کی ملامت کی جائے وہ اس کا مستحق ہو یا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملیم کا معنی جس میں عیب ہو جب کوئی آدمی عمل کرے اور اس عمل کی وجہ سے عیب دار ہو جائے تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے: لام الرجل۔

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ کسائی نے کہا: یہاں ان کے ہمزہ کو لام کے داخل ہونے کی وجہ سے کسرہ نہیں دیا کیونکہ یہ اس کے لئے نہیں۔ نحاس نے کہا: بات اسی طرح ہے جس طرح اس نے کہی لام یہ تو لولا کے جواب میں ہے مسبحین کا معنی ہے نماز پڑھنے والے۔

اگر وہ نماز پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتا تو بطور سزا قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتا یعنی مچھلی کا پیٹ قیامت تک اس کی قبر ہوتا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ وہ کتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رہے؟ سدی، قلبی اور مقاتل بن سلیمان نے کہا: چالیس دن۔ ضحاک نے کہا: بیس دن۔ عطاء نے کہا: سات دن (3)۔ مقاتل بن حیان نے کہا: تین دن (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک ساعت۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ طبری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس کو محبوس کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو وحی کی کہ اسے پکڑ لے اس

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 67 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 68 4۔ ایضاً

کے گوشت کو خراش نہ لگانا اور اس کی ہڈی کو نہ توڑنا۔ مچھلی نے اسے پکڑ لیا پھر سمندر میں اپنے مسکن میں جا بیٹھی جب وہ سمندر کے انتہائی گہرے حصہ میں پہنچی تو حضرت یونس علیہ السلام نے کچھ آواز محسوس کی تو اپنے دل میں خیال کیا یہ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ تو حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی فرشتوں نے اس کی تسبیح سنی انہوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہم اجنبی علاقہ سے ایک کمزور سے تسبیح سن رہے ہیں فرمایا: وہ میرا بندہ یونس ہے، اس نے میری نافرمانی کی تو میں نے اسے سمندر میں مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کی: تیرا وہ نیک بندہ جس کے ہر روز تیری بارگاہ میں نیک اعمال بلند ہوتے تھے؟ فرمایا: ہاں، فرشتوں نے اس کے حق میں سفارش کی، مچھلی کو حکم دے دیا گیا کہ اسے ساحل پر اس بچے کی طرح پھینک دے جس کا نفس ہو جس کا گوشت اور ہڈیاں ایک ہو چکی ہوں۔

ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ مچھلی کشتی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اس نے اپنا سر اوپر کو اٹھایا ہوا تھا جس میں حضرت یونس علیہ السلام سانس لے رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کر رہے تھے وہ مچھلی ان سے جدا نہ ہوئی یہاں تک کہ وہ خشکی تک جا پہنچے مچھلی نے آپ کو صحیح وسالم باہر پھینک دیا ان کی کسی چیز میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی تو سب لوگ مسلمان ہو گئے؛ زمخشری نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

ابن عربی نے کہا: مجھے کئی ساتھیوں نے امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف جوینی سے یہ واقعہ سنایا کہ ان سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کس سمت میں ہے؟ فرمایا: نہیں وہ اس سے بالا ہے۔ پوچھا گیا: اس پر دلیل کیا ہے؟ فرمایا: اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا تفضلونی علی یونس بن متی تم مجھے حضرت یونس متی پر فضیلت نہ دو۔ ان سے پوچھا گیا: اس حدیث میں دلیل کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: میں وہ نہیں بتاؤں گا یہاں تک کہ میرا یہ مہمان ہزار دینار لے لے جس کے ساتھ اپنا قرضہ ادا کر لے۔ دو آدمی اٹھے انہوں نے کہا: یہ ہم پر لازم ہے، آپ نے فرمایا: وہ دو کا پیچھا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اس پر شاق گذرے گا ان میں سے ایک نے کہا: یہ میرے ذمہ ہے۔

آپ نے فرمایا: حضرت یونس بن متی نے اپنے آپ کو سمندر میں پھینکا مچھلی نے انہیں لقمہ بنالیا وہ سمندر کی گہرائی میں تین تاریکیوں میں جا پہنچے اور یوں ندا کی: لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الانبیاء) جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب سبز رفرف پر بیٹھے اور اس کے ذریعے بلندیوں پر چڑھے یہاں تک کہ ایسی جگہ پہنچے جہاں سے قلموں کے چلنے کی آواز سن رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سے مناجات کی جو مناجات کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی جو وحی کی اس وقت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے حضرت یونس علیہ السلام سے زیادہ قریب نہ تھے جبکہ وہ سمندر کی تاریکی میں مچھلی کے پیٹ میں تھے۔

مسئلہ نمبر 6۔ طبری نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو اس کے سواروں کو سخت ہوا نے آلیا انہوں نے کہا: یہ تم میں سے کسی کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا جبکہ وہ جان چکے

تھے کہ غلطی انہی کی ہے: یہ میری غلطی ہے مجھے سمندر میں پھینک دو، انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ قرعہ اندازی کر لیں انہوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ ان کے نام نکلا۔ حضرت یونس نے کہا: میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ یہ مصیبت میرے گناہ کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ دوبارہ قرعہ ڈالیں تو قرعہ انہیں کے نام نکلا انہوں نے پھر بھی انہیں سمندر میں پھینکنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ تیسری بار قرعہ ڈالیں تو پھر بھی قرعہ انہیں کے نام نکلا جب حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا تو اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا یہ رات کا وقت تھا تو ایک مچھلی نے انہیں نگل لیا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو نقاب اوڑھ لیا اور سو گئے کشتی والے چلے ابھی تھوڑی دور بھی نہ گئے تھے کہ ہوا نے انہیں آلیا قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی کشتی والے اکٹھے ہو گئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی انہوں نے کہا: اس سوئے آدمی کو جگائیے وہ بھی ہمارے ساتھ دعا مانگے حضرت یونس نے ان کے ساتھ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ہوا کو دور کر دیا حضرت یونس علیہ السلام پھر اپنی جگہ کی طرف چلے گئے اور سو گئے پھر ہوا آ گئی قریب تھا کہ کشتی غرق ہو جاتی انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو بیدار کیا اور سب نے دعا کی تو ہوا ختم ہو گئی کہا: وہ لوگ اسی حالت میں تھے کہ ایک مچھلی جس کا سر بہت بڑا تھا بلند ہوئی اس نے ارادہ کیا کہ کشتی کو ہی نگل جائے تو حضرت یونس علیہ السلام نے لوگوں کو کہا: اے میری قوم! یہ میری وجہ سے ہے اگر تم مجھے سمندر میں پھینک دو تو تم چلتے رہو گے اور تم سے ہوا اور خوف دور ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا: ہم تمہیں سمندر میں نہیں پھینکیں گے یہاں تک کہ ہم قرعہ اندازی کر لیں۔ جس کے نام قرعہ نکلے گا ہم اسے سمندر میں پھینک دیں گے لوگوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! مجھے سمندر میں پھینک دو میری وجہ سے ہی تمہیں یہ مصیبت آئی ہے۔ انہوں نے کہا: ہم ایسا نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم ایک دفعہ پھر قرعہ ڈال لیں انہوں نے ایسا ہی کیا تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام ہی نکلا حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! مجھے سمندر میں پھینک دو میری وجہ سے ہی تمہیں یہ مصیبت پہنچی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان: **فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝** کا یہی معنی ہے یعنی قرعہ ان کے نام پڑا وہ اسے لے کر کشتی کے سامنے والے حصہ کی طرف گئے تاکہ اسے پھینک دیں کہ اچانک ایک مچھلی اپنا منہ کھولے ہوئے تھی پھر وہ اسے کشتی کی ایک طرف لے گئے تو وہاں ایک مچھلی تھی پھر اسے لے کر دوسری جانب گئے تو وہاں بھی ایک مچھلی اپنا منہ کھولے ہوئے تھی جب یہ دیکھا تو اپنے آپ کو سمندر میں پھینک دیا تو مچھلی نے انہیں نگل لیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی کی: میں نے اسے تیرا رزق نہیں بنایا بلکہ میں نے تیرے پیٹ کو اس کا برتن بنا دیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے تو انہوں نے تاریکیوں میں یہ دعا کی: **لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝** یہ بحث پہلے گزر چکی ہے (1)، پھر بھی آئے گی۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتوں میں قرعہ کا عام معمول تھا ہماری شریعت میں بھی یہ معمول ہے جس طرح سورۂ آل عمران میں آیا ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 67

ابن عربی نے کہا: شرع میں تین مقامات پر قرعہ کا ذکر آیا ہے(1): (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی کرتے جس کے نام قرعہ نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔

(2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا کہ ایک آدمی نے چھ غلام آزاد کر دیئے ان کے علاوہ اس کا کوئی مال نہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی تو دو کو آزاد کر دیا اور چار کو باقی رہنے دیا۔

(3) دو آدمیوں نے آپ کی بارگاہ میں میراث کا جھگڑا کیا جس کے آثار مٹ چکے تھے فرمایا: ''دونوں جاؤ حق کو تلاش کرو قرعہ ڈالو اور تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کے لئے اس کو حلال کر دے''۔ یہ تین مواقع ہیں وہ نکاح میں باری، آزادی اور تقسیم ان میں قرعہ کا اجراء، اشکال کو دور کرنے اور خواہش کی مرض کو ختم کرنے کے لئے ہے۔

جنگ کے موقع پر بیویوں میں قرعہ اندازی نکالنے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے(2) اس بارے میں دو قول ہیں: (1) صحیح یہ ہے کہ قرعہ اندازی کی جائے؛ فقہاء نے بھی یہی کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام کو سفر پر لے جانا ممکن نہیں ان میں سے ایک کا انتخاب ترجیح بنتی ہے اس لیے قرعہ کی صورت ہی رہ جاتی ہے، چھ غلاموں میں بھی یہی صورتحال تھی کیونکہ ان میں سے دو، ایک تہائی بنتا ہے یہ وہ مقدار ہے جس کی مرض موت میں آزادی جائز ہے محض خواہش نفس اور من پسندی شرعاً جائز نہیں تو قرعہ کے بغیر کوئی صورت باقی نہ رہی اسی طرح وہ جھگڑا جو وراثت کے مال کی ذاتوں میں ہوا تھا تو قرعہ کے بغیر حق کو کوئی امتیاز عطا نہیں کرتا تھا پس جب مشکل پڑ جائے تو قرعہ ہی مستحق کی تعیین میں اصل بن گیا۔

کہا: میرے نزدیک حق یہ ہے کہ ہر مشکل میں یہ جاری ہوگا پس یہی اس کو زیادہ واضح کرنے والا، حکم میں قوی، اشکال کی صورت کو دور کرنے میں نمایاں ہوگا اسی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں: بیویوں میں طلاق میں قرعہ، لونڈی میں آزادی میں قرعہ کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ سمندر میں کسی آدمی کو پھینکنے کے لئے قرعہ اندازی کرنا جائز نہیں یہ حضرت یونس علیہ السلام اور ان کے زمانہ میں دلیل کے ثبوت اور ایمان کی زیادتی کی وجہ سے تھا جو آدمی گناہگار ہو اسے قتل کرنا اور اسے آگ یا سمندر میں پھینک دینا جائز نہیں بلکہ اس کے جرم کے مطابق حد یا تعزیر جاری ہوگی۔ بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ سمندر جب قوم کو خوفزدہ کر دے وہ کشتی کو ہلکا کرنے پر مجبور ہو جائیں تو قرعہ ڈالا جائے گا اور کچھ کو سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ قول فاسد ہے کیونکہ بعض افراد کو سمندر میں پھینک دینے سے بوجھ ہلکا نہیں ہوگا بلکہ یہ طریقہ اموال کو پھینکنے میں اپنایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام تسبیح کرنے والوں میں سے تھے اور ان کی تسبیح ہی ان کی نجات کا باعث بنی تھی اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عمل صالح عمل کرنے والے کو اوپر اٹھاتا ہے جب وہ لڑکھڑا کر گر پڑے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ کا معنی ہے نمازیوں میں سے۔ قتادہ نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی نماز اس لیے پڑھا کرتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا تھا پس اللہ تعالیٰ نے اسے نجات عطا فرمائی۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1622 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1623

ربیع بن انس نے کہا: اگر انہوں نے اس سے قبل عمل صالح نہ کیا ہوتا تو وہ مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے کہا: حکمت میں لکھا ہوا ہے جب کوئی بندہ پھسلتا ہے تو عمل صالح اسے اٹھا دیتا ہے۔

مقاتل نے کہا: مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ سے مراد ہے وہ معصیت سے پہلے نمازیوں اور اطاعت شعاروں میں سے تھے۔ وہب نے کہا: معنی ہے وہ عبادت گذاروں میں سے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مچھلی کے پیٹ میں ان کی کوئی نماز نہ تھی بلکہ انہوں نے آسودگی کے دور میں اچھا عمل کیا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے حالت آزمائش میں اس کا ذکر کیا، بے شک عمل صالح عامل کو اٹھاتا ہے جب وہ لغزش کھاتا ہے تو یہ عمل اسکا سہارا بن جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من استطاع منکم أن تکون له خبیئة من عمل صالح فلیفعل (1) جو آدمی یہ طاقت رکھتا ہو کہ اس کے لیے عمل صالح میں سے کوئی پوشیدہ عمل ہو تو وہ ایسا کرے یعنی بندے کو یہ کوشش کرنی چاہیے اور عمل صالح میں سے کسی عمل پر حریص ہونا چاہیے جس میں وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان خالص ہو اپنی ضرورت کے دن کے لئے وہ اسے ذخیرہ کرے اپنی کدوکاوش کے ساتھ اسے چھپائے مخلوق سے اسے چھپائے اس کا نفع اسے پہنچے گا جبکہ وہ اس کا زیادہ ضرورت مند ہوگا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسی اثنا میں کہ تین آدمی چل رہے تھے ایک روایت میں ہے کہ تم سے قبل کے زمانہ میں انہیں بارش نے آلیا انہوں نے ایک پہاڑ کی ایک غار میں پناہ لینی چاہی غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان گر پڑی جس نے ان پر غار کا منہ بند کر دیا ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے کہا: ان اعمال پر غور وفکر کرو جو تم نے اچھے اعمال کئے ہیں ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو ممکن ہے اللہ تعالیٰ تم سے اس معصیت کو دور کر دے'' (2)۔ یہ حدیث مشہور ہے اس کی شہرت نے تمام حدیث کو بیان کرنے سے ہمیں غنی کر دیا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: جب حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿ (الانبیاء) مچھلی نے انہیں پھینک دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ سے مراد مچھلی کے پیٹ میں سے نماز پڑھنے والے تھے۔

میں کہتا ہوں: زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ زبان سے تسبیح تھی جو دل کے موافق تھی اسی پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کا ذکر طبری نے کیا۔ کہا: حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی تو فرشتوں نے اس کی تسبیح کو سنا فرشتوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم اجنبی علاقہ سے ایک کمزوری تسبیح کی آواز سنتے ہیں۔ اس قول کی بنا پر کان زائدہ ہے کلام اس طرح ہوگی فلولا انه من المسبحین۔

ابو داؤد کی کتاب میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعاء

1۔ العلل، دارقطنی، جلد 4، صفحہ 254 2۔ صحیح بخاری، کتاب الادب باب اجابۃ دعاء من بر بوالدیہ،

ذی النون فی بطن الحوت لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

جب مسلمان نے کسی بھی مصیبت پر یہ دعا کی اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ یہ بحث سورۂ انبیاء میں گذر چکی ہے حضرت یونس علیہ السلام اس سے پہلے بھی نمازی اور تسبیح کرنے والے تھے مچھلی کے پیٹ میں بھی معاملہ اسی طرح ہے حدیث میں ہے: ''مچھلی کو ندا کی گئی: ہم نے یونس کو تیرے لئے رزق نہیں بنایا ہم نے تجھے اس کی جائے پناہ اور مسجد بنائی ہے''۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

''پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔ اور ان کی حفاظت کے لئے ہم نے اگا دی ان پر کدو کی بیل۔ اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک''۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ مچھلی نے انہیں موصل کی ایک دیہات کے ایک ساحل پر پھینک دیا۔ ابن قسیط نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ''حضرت یونس علیہ السلام کو خالی جگہ پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر کدو کی بیل اگا دی ہم نے پوچھا: اے ابو ہریرہ یقطینہ کیا ہے؟ کہا: کدو کا درخت، اللہ تعالیٰ نے ایک جنگلی بکری ان کے لیے تیار کردی جو زمین کا گھاس پھوس کھاتی وہ ان پر اپنی ٹانگیں پھیلا دیتی اور ہر صبح اور شام انہیں دودھ پلایا کرتی یہاں تک کہ وہ پروان چڑھے۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: مچھلی انہیں لے کر نکلی یہاں تک کہ انہیں سمندر کے ساحل پر پھینکا اللہ تعالیٰ نے اس پر کدو کی بیل اگا دی۔ اس کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے شجرۃ القرع کے الفاظ ہیں جو اس پر دودھ ٹپکا تا یہاں تک کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوت لوٹ آئی پھر ایک روز وہ بیل کی طرف لوٹے تو اسے خشک پایا وہ غمگین ہو گئے اور اس پر روئے تو حضرت یونس علیہ السلام کو عتاب کیا گیا ان سے کہا گیا: تم ایک بیل پر غمگین ہوئے اور اس پر روئے اور بنی اسرائیل کے لاکھ سے زیادہ افراد کی ہلاکت پر غمگین نہ ہوئے جو میرے خلیل حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے جو دشمنوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور تو نے سب کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انجیر کا درخت تھا۔ ایک قول کیا گیا ہے کہ وہ کیلے کا درخت تھا جو اپنے پتوں سے اسے ڈھانپتا، آپ اس کی شاخوں سے سایہ حاصل کرتے اور اس کے پھل سے افطار کرتے، اکثر علماء کی رائے ہے وہ کدو کی بیل تھی جس طرح اس کا ذکر آئے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اسے چن لیا اور صالحین میں سے بنا دیا پھر اسے حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کا قصد کیا یہاں تک کہ ایک چرواہے سے ملے حضرت یونس علیہ السلام نے اس سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم اور ان کے حال کے بارے میں پوچھا، اس چرواہے نے

انہیں بتایا کہ وہ بہت بہتر حالت میں ہیں اور وہ اس امید میں ہیں کہ ان کا رسول ان کی طرف لوٹ آئیگا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اس چرواہے سے فرمایا انہیں بتا کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا اس چرواہے نے کہا: میں گواہی کے بغیر اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اس کے ریوڑ میں سے ایک بکری کو منتخب کیا فرمایا: یہ تیرے حق میں گواہی دے گی تو واقعی حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا اس چرواہے نے کہا اور کیا؟ کہا: زمین کا قطعہ تمہارے حق میں گواہی دے گا کہ تو نے حضرت یونس علیہ السلام سے ملاقات کی اس نے کہا اور کیا؟ فرمایا: یہ درخت تیرے حق میں گواہی دے گا کہ تو حضرت یونس علیہ السلام سے ملا تھا۔ وہ چرواہا اپنی قوم کی طرف آیا اور انہیں بتایا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے تو قوم کے افراد نے اسے جھٹلایا اور اس کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اس نے کہا: مجھ پر جلدی نہ کرو یہاں تک کہ میں صبح کروں جب اس نے صبح کی تو وہ انہیں اس قطعہ زمین پر لے آیا جہاں اسے حضرت یونس علیہ السلام ملے تھے اس نے قطعہ زمین سے بولنے کا مطالبہ کیا تو اس قطعہ زمین نے خبر دی کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے اس نے بکری اور درخت سے بولنے کا مطالبہ کیا تو دونوں نے اسے بتایا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام سے ملا ہے پھر اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس آگئے، یہ اور اس سے ماقبل خبر طبری نے بیان کی ہے فَنَبَذْنٰهُ ہم نے اسے پھینک دیا۔ اور ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے اسے صحراء میں چھوڑ دیا؛ یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔ اخفش نے کہا: کھلی جگہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: کھلی زمین۔ فراء نے کہا: خالی جگہ۔ ابو عبیدہ نے کہا: عراء سے مراد روئے زمین ہے۔ خزاعہ کے ایک آدمی نے یہ شعر پڑھا:

ورفعتُ رِجْلًا لا أخافُ عثارها ونَبَذْتُ بالبلَدِ العراءِ ثِيابِي(1)

میں نے قدم اٹھایا جس کی لغزش کا مجھے خوف نہیں اور میں نے سطح زمین پر اپنے کپڑے پھینک دیے۔

اخفش نے وَهُوَ سَقِيْمٌ کے بارے میں حکایت بیان کی ہے سقیم کی جمع سقمی، سقامی اور سقام ہے اس سورت میں فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ کہا اور سورۃ القلم میں لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ آیت فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں خبر دی کہ انہیں کھلی جگہ پھینکا گیا جبکہ وہ مذموم نہ تھے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو وہ مذموم ہوتے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ اس میں علیہ، عندہ کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ (الشعراء: 14) اس میں بھی علی عندی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عیہ، لہ کے معنی میں ہے يَّقْطِيْنٍ سے مراد کدو کی بیل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے علاوہ ہے۔ ابن اعرابی نے اس کا ذکر کیا ہے حدیث میں یہ بھی ہے "کدو اور تربوز جنت کے پھل ہیں" ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔

مبرد نے کہا: ہر وہ پودا جس کا تنا نہ ہو جن کے پتے زمین پر بچھ جائیں اسے یقطینہ کہتے ہیں جس طرح کدو، تربوز، خربوزہ اور تنبہ۔ اگر اس کا تنا ہو جو اسے اٹھائے ہوئے ہو تو اسے شجرہ کہتے ہیں، اگر بچھی ہوئی جڑوں پر کھڑا ہو تو اسے نجمہ کہتے ہیں جس

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 68

کی جمع نجم آتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ۝ (رحمٰن) اس کی مثل حضرت ابن عباس، حضرت حسن اور مقاتل سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہر جڑی بوٹی جو لمبی ہو جائے اور زمین پر بچھ جائے صحیح و سالم باقی نہ رہے اور اس کا تنا نہ ہو جس طرح ککڑی، خربوزہ، تربوز، کدو اور تنبہ تو وہ یقطین ہو گی۔ سعید بن جبیر نے کہا: ہر وہ شے جو اگے پھر اسی سال مرجائے اس تعریف کی بنا پر کیلا بھی اس میں داخل ہے۔

میں کہتا ہوں: یَّقۡطِیۡنٍ اسے کہتے ہیں جس کا تنا ہو۔ جوہری نے کہا: یقطین اسے کہتے ہیں جس کا تنا نہ ہو جس طرح کدو کی بیل۔ زجاج نے کہا: یقطین، قطن سے مشتق ہے یہ قطن بالمکان سے مشتق ہے جب وہ اسی جگہ مقیم ہو یہ یفعیل کا وزن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عجمی نام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یقطین کا خصوصاً ذکر ہوا ہے کیونکہ اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہاں کوئی یقطین نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اسے اگا دیا آیت میں ایسی چیز کا ذکر ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ چیز بچھی ہوتی تھی تاکہ اس کا سایہ ہو۔

ثعلبی نے کہا: وہ اسے سایہ عطا کرتی تھی حضرت یونس علیہ السلام نے اس کی سرسبزی کو دیکھا تو اس کی سرسبزی نے اسے خوش کر دیا تو وہ خشک ہو گئی تو آپ اس پر غمگین ہونے لگے اسے کہا گیا: اے یونس! نہ تو تو نے اسے پیدا کیا، نہ تو نے اسے پانی دیا اور نہ ہی تو نے اسے اگایا تو ایک چھوٹے سے درخت پر غمگین ہوتا ہے جبکہ میں نے ایک لاکھ سے زائد افراد پیدا کیے تو مجھ سے یہ ارادہ کرتا تھا کہ میں انہیں لمحہ بھر میں جڑ سے اکھیڑ دوں انہوں نے توبہ کی اور میں نے ان کی توبہ قبول کر لی تو تیری رحمت کہاں گئی اے یونس! جبکہ میں تو ارحم الرحمین ہوں☆۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گوشت اور کدو کے ساتھ بنایا گیا ثرید کھاتے تھے آپ کدو کو پسند کرتے آپ فرماتے: یہ میرے بھائی یونس کا درخت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شوربہ پیش کیا گیا جس میں کدو اور گوشت کے ٹکڑے تھے آپ پیالے کے اطراف میں کدو کو تلاش کرتے تھے(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس دن سے کدو کو پسند کرتا ہوں۔ اس روایت کو ائمہ نے روایت کیا ہے۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت اس کے بعد شروع ہوئی جب مچھلی نے انہیں پھینک دیا تھا اس کی سند حضرت شہر بن حوشب سے مروی ہے۔ نحاس نے کہا: اسناد کے اعتبار سے سب سے عمدہ اور سب سے صحیح وہ روایت ہے جو علی بن حسین سے مروی ہے کہ حسن بن محمد، عمرو بن عنقزی سے وہ اسرائیل سے وہ اسحاق سے وہ عمرو بن میمون سے وہ عبد اللہ بن مسعود سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا اور انہیں بتایا کہ عذاب تین دن میں آجائے گا لوگوں نے ہر والدہ اور اس کے بچے کو الگ کر دیا وہ بستی سے باہر نکلے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے اور اس سے مغفرت کے طالب ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو روک دیا حضرت یونس علیہ السلام عذاب کا انتظار کرتے رہے مگر کوئی چیز نہ دیکھی۔ وہاں کا قانون تھا جو آدمی جھوٹ بولے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو

1۔ موطا امام مالک، کتاب النکاح، ما جاء فی الولیمہ، صفحہ 509

☆ عرائس المجالس صفحہ 414-413

اسے قتل کر دیا جاتا ہے ☆ تو میرے حق میں کون گواہی دے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ درخت اور یہ قطعہ زمین۔ اس نے عرض کی: ان دونوں کو حکم دیں۔ حضرت یونس علیہ السلام نے دونوں سے کہا: جب تم دونوں کے پاس یہ لڑکا آئے تو اس کے حق میں گواہی دینا۔ دونوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ وہ لڑکا آپ کی قوم کے پاس آیا اس کے پاس قوت تھی اور اس کے بھائی تھے وہ بادشاہ کے پاس آیا اس نے کہا: میں حضرت یونس علیہ السلام کو ملا ہوں وہ تجھے سلام کہتے تھے، بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا لوگوں نے کہا: اس کے پاس گواہ ہیں لوگوں کو اس کے ساتھ بھیج دو وہ درخت اور اس قطعہ زمین کے پاس آیا اور دونوں نے کہا: میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میرے حق میں گواہی دو کہ واقعی میں حضرت یونس علیہ السلام کو ملا ہوں؟ دونوں نے کہا: ہاں لوگ گھبرائے ہوئے واپس آئے کہہ رہے تھے: درخت اور زمین نے اس کے حق میں گواہی دی ہے۔ لوگ بادشاہ کے پاس آئے اور جو کچھ دیکھا تھا اس کے بارے میں خبر دی۔

حضرت عبداللہ نے کہا: بادشاہ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور اپنی جگہ بٹھایا اور کہا: تو میری بنسبت اس جگہ پر بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: اس لڑکے نے چالیس سال تک ان کے امور مملکت چلائے۔

ابو جعفر نحاس نے کہا: اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے مبعوث کیا گیا تھا، یہ امر قیاس سے نہیں لیا جا سکتا۔

اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھنے سے پہلے ایمان لے آئی تھی اور شرمندگی کا اظہار کیا تھا کیونکہ اس میں یہ تذکرہ موجود ہے کہ عذاب تین دن تک ان پر آجائے گا تو انہوں نے ہر والدہ اور بچے کو الگ الگ کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کی۔ اس باب میں یہ صحیح ہے ان کے بارے میں حق دوسروں کے حکم جیسا نہیں تھا ارشاد باری

☆ حضرت یونس علیہ السلام ناراض ہو کر نکل پڑے آپ ایک کشتی میں لوگوں کے پاس آئے لوگوں نے آپ کو کشتی پر سوار کر لیا اور آپ کو پہچان لیا جب کشتی میں داخل ہوئے تو کشتی رک گئی کشتی دائیں بائیں ڈولتی۔ لوگوں نے کہا: تمہاری کشتی کو کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: اس میں ایک غلام اپنے رب سے بھاگا ہوا ہے یہ کشتی نہیں چلے گی یہاں تک کہ تم اس کو پھینک دو۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے نبی ہم آپ کو نہیں پھینکیں گے آپ نے فرمایا: تم قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلے تو وہ اس میں چھلانگ لگا دے لوگوں نے قرعہ ڈالا۔ قرعہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ لوگوں نے آپ کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: تین دفعہ قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلے وہ اس میں چھلانگ لگا دے۔ لوگوں نے قرعہ ڈالا تو تینوں دفعہ قرعہ آپ کے نام نکلا۔ آپ نے چھلانگ لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک مچھلی کے سپرد کر دیا اور مچھلی آپ کو نگل گئی اور زمین کی تہہ تک آپ کو لے گئی حضرت یونس علیہ السلام نے سنگریزوں کی تسبیح کو سنا، فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (الانبیا: 87) کہا: رات کی تاریکی، سمندر کی تاریکی اور مچھلی کے پیٹ کی تاریکی۔ فرمایا: فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ۝، کہا: آپ اس پرندے کے بچے کی طرح تھے جس کے پر نوچ لیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کدو کی ایک بیل کو اگایا تو وہ اگ آئی۔ حضرت یونس اس سے سایہ حاصل کرتے، وہ بیل خشک ہو گئی تو آپ اس پر روئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کیا تو ایک درخت کے خشک ہونے پر روتا ہے اور ایک لاکھ سے زائد افراد پر نہیں روتا جن کو تو نے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام نکلے تو وہ ایک چرواہے بچے کے پاس پہنچے۔ پوچھا: اے بچے تو کون ہے؟ اس نے عرض کی یونس علیہ السلام کی قوم سے۔ فرمایا جب تو قوم کے پاس جائے تو انہیں بتانا کہ تو یونس علیہ السلام سے ملا ہے۔ بچے نے کہا: اگر آپ یونس ہیں تو آپ کو علم ہے کہ جو آدمی جھوٹ بولتا ہے اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

تعالیٰ ہے: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا (الغافر) وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ (النساء:18)

بعض علماء نے کہا: انہوں نے عذاب کے آثار دیکھے تو توبہ کرلی یہ کوئی ممنوع نہیں اس بارے میں علماء کی آراء سورۂ یونس میں گذر چکی ہیں وہاں دیکھ لو۔

اَوْ يَزِيْدُوْنَ سورۂ بقرۃ میں اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً میں او کے بارے میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ فراء نے کہا: او، بل کے معنی میں ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ او واؤ کے معنی میں ہے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

فلما اشتد أمرُ الحربِ فينا تأمّلنا رِياحا او رِزاما(1)

اس شعر میں او واؤ کے معنی میں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی اس زبان کی طرح ہے: وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (النحل:77)

جعفر بن محمد نے اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ہمزہ کے بغیر صرف واؤ پڑھی ہے يَزِيْدُوْنَ محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اصل میں کلام یوں تھی ھم یزیدون۔ نحاس نے کہا: بصریوں کے نزدیک یہ دونوں قول صحیح نہیں انہوں نے او کو بل اور واؤ کے معنی میں لینے سے انکار کیا ہے بلکہ بل پہلے کلام سے اضراب اور مابعد کو ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بالا ہے یا ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف نکلنے کے لئے ہوتا ہے یہ بھی اس کا موقع محل نہیں واؤ کا معنی او کے خلاف ہے اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے معنی میں ہو تو معانی باطل ہو جائیں گے اگر ایسا جائز ہوتا تو وارسلناہ الی اکثر مائتی الف زیادہ مختصر ہوتا۔

مبرد نے کہا: معنی ہے ہم نے اسے ایسی جماعت کی طرف بھیجا اگر تم انہیں دیکھتے تو تم کہتے یہ ایک لاکھ یا اس سے زائد ہیں کیونکہ لوگوں کو خطاب اس انداز سے کیا جاتا ہے جس سے وہ واقف ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: جاءنی زید او عمرو جبکہ تو جانتا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کون تیرے پاس آیا ہے مگر تو نے مخاطب پر اس معاملہ کو مبہم کر دیا ہے۔

اخفش اور زجاج نے کہا: معنی ہے یا تمہارے اندازے کے مطابق اس سے زائد ہونگے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ تھے۔ حضرت ابی بن کعب نے اسے مرفوع نقل کیا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے وہ تیس ہزار تھے۔ حضرت حسن بصری اور ربیع نے کہا: وہ تیس ہزار سے کچھ زائد تھے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ستر ہزار تھے۔ اِلٰى حِيْنٍ سے مراد ان کی عمروں کی انتہا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ۝١٤٩ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝١٥٠ اَلَاۤ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝١٥١ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝١٥٢

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 70

2۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الصافات، حدیث 3153، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

"ذرا پوچھیے ان نادانوں سے: کیا آپ کے رب کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے آیا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تو کیا وہ موجود تھے۔ غور سے سنو وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بچے جنے اور وہ بلا شبہ جھوٹ بکتے ہیں، کیا اس نے پسند کی ہیں اپنے لئے بیٹیاں، بیٹوں کو چھوڑ کر تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو کیا تم غور و فکر نہیں کیا کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے تو اپنی وہ دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو"۔

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لئے سابقہ قوموں کی خبروں کو ذکر کیا تو اب کفار کے قول کے خلاف استدلال کیا ہے وہ یہ کہتے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں فَاسْتَفْتِهِمْ سورت کے آغاز میں جو اس قسم کا کلام ہے اس پر معطوف ہے اگرچہ دونوں میں طویل مسافت ہے اے محمد! ﷺ اہل مکہ سے پوچھو! کیا تیرے رب کی بیٹیاں ہیں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ جہینہ، خزاعہ، بنو ملیح، بنو سلمہ اور بنو عبد الدار نے یہ گمان کیا تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، یہ سوال زجر و توبیخ کے لئے ہے۔

شٰهِدُوْنَ کا معنی ہے جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا اس وقت وہ حاضر تھے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ (الزخرف: 19)

اِفْكِهِمْ کا معنی ہے وہ بڑا برا جھوٹ تھا وہ اس بات میں جھوٹے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ ہی کسی نے اسے جنا ہے الاّ کے بعد ان کا ہمزہ مکسور ہوتا ہے کیونکہ اس سے کلام کا آغاز ہوتا ہے۔ سیبویہ نے یہ کہا ہے کہ اَمَا کے بعد اس کا ہمزہ مفتوح ہوتا ہے یا مکسور ہوتا ہے جب ہمزہ مفتوح ہو تو اما، حقا کے معنی میں ہوگا جب ہمزہ مکسور ہو تو اما، الا کے معنی میں ہوگا۔

نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے الاّ کے بعد ان کے ہمزہ کو فتحہ دینا جائز ہے اس صورت میں الا، اما کے مشابہ ہوگا جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اس میں ہمزہ کے نیچے کسرہ دینا جائز ہے کیونکہ اس کے بعد اسم مرفوع ہے الکاذبون پر کلام مکمل ہو جاتی ہے پھر اصطفی سے نئی کلام شروع ہو جاتی ہے مقصود تقریع و توبیخ ہے۔ (شرمندہ کرنا ہے)

گویا فرمایا: تم پر افسوس اس نے بیٹیاں منتخب کیں اور بیٹوں کو ترک کر دیا عام قراء کی قراءت اصطفی ہے یعنی ہمزہ قطعی ہے کیونکہ یہ ہمزہ استفہام ہے جو ہمزہ وصلی پر داخل ہے، ہمزہ وصلی حذف ہو گیا اور ہمزہ استفہام مفتوح باقی رہا جس طرح اَطَّلَعَ الْغَيْبَ (مریم: 78) ہے جیسے پہلے گذر چکا ہے۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع اور حمزہ نے ہمزہ وصلی کے ساتھ اسے پڑھا ہے یہ جملہ خبریہ ہے یہاں استفہام نہیں کیونکہ اس کا مابعد مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ہے کلام توبیخ کے طریقہ پر دو جہتوں سے جاری ہے ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے جو جھوٹ بولا ہے یہ اس کا بیان و تفسیر ہو اور مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ماقبل سے منقطع ہو دوسری یہ ہے کہ نحویوں نے حکایت بیان کی ہے ان میں فراء بھی ہے کہ توبیخ استفہام اور بغیر استفہام کے ہوا کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا (الاحقاف: 20) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام مضمر ہے تقدیر کلام یوں ہے ویقولون اصطفی البنات یا یہ ولد اللہ سے بدل ہے کیونکہ بچیوں کو جننا اور انہیں بیٹیاں بنانا ان کو منتخب کرنا ہی ہے فعل ماضی کو فعل ماضی سے بدل بنایا گیا ہے اس وجہ سے لکاذبون پر وقف نہیں کیا جائے گا کیا تم غور وفکر نہیں کرتے کہ یہ جائز نہیں کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل اور برہان موجود ہے اگر تم سچے ہو تو دلائل لے آؤ۔

وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

"اور ٹھہرا دیا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ، حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں پکڑ کر پیش کیا جائے گا، پاک ہے اللہ تعالیٰ لغویات سے جو یہ بیان کرتے ہیں مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے (ایسی ہرزہ سرائی نہیں کرتے)"۔

اکثر اہل تفسیر کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہاں الجنہ سے مراد فرشتے ہیں۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ قریش کے کفار نے کہا: ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ان کی مائیں کونسی ہیں؟ تو قریش نے جواب دیا: ان کی باپردہ۔ اہل اشتقاق نے کہا: انہیں جن اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ دکھائی نہیں دیتے۔ مجاہد نے کہا: فرشتوں کے خاندانوں میں سے ایک خاندان ہے جنہیں الجنہ کہتے ہیں (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اسرائیل، سدی سے وہ ابو مالک سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: انہیں جنہ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ وہ جنتوں کے خازن ہیں تمام فرشتے جنہ ہیں نسبا سے مراد رشتہ مصاہرت ہے۔

قتادہ، کلبی اور مقاتل نے کہا: یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کے ساتھ مصاہرت کا رشتہ قائم کیا ہے فرشتے انہیں میں سے ہیں (2)؛ مجاہد، سدی اور مقاتل نے بھی یہ کہا ہے یہ بات کرنے والے کنانہ اور خزاعہ تھے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنوں کی سردار عورتوں کو دعوت نکاح دی تو جنوں نے اللہ تعالیٰ کی شادی اپنی بامروت بیٹیوں سے کر دی فرشتے جنوں کی بامروت عورتوں سے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شیطان کو شریک کیا تو وہ نسب ہے جو انہوں نے قائم کیا (3)۔

میں کہتا ہوں: حضرت حسن بصری کا قول اس بارے میں بہت ہی اچھا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ (الشعراء) یعنی ہم تمہیں عبادت میں رب العالمین کے ساتھ برابر قرار دیتے ہیں حضرت عباس، ضحاک اور حضرت حسن نے کہا: اس سے مراد ان کا یہ قول ہے اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹے قول سے بہت ہی بالا ہے (4)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 71 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 70 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

ملائکہ کو علم ہے کہ ایسا قول کرنے والے جہنم میں موجود ہونگے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ حساب کے لئے حاضر ہوں گے۔ ثعلبی نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے کیونکہ اس آیت میں احضار کا لفظ مکرر ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے عذاب کے علاوہ کی چیز کا ارادہ نہیں کیا۔

جو کچھ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے مگر جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں وہ جہنم سے نجات پائیں گے۔

فَاِنَّكُمۡ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ بِفٰتِنِيۡنَ ۝ اِلَّا مَنۡ هُوَ صَالِ الۡجَحِيۡمِ ۝

''پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی پوجا کرتے ہو تم سب مل کر اللہ کے خلاف کسی کو نہیں بہکا سکتے مگر اسے جو تاپنے والا ہے بھڑکتی آگ کو''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ میں ما، الذی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر یہ ہے یعنی تم اور تمہاری ان بتوں کی عبادت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے ان معبودوں کے ساتھ جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو یہ کہا جاتا ہے: جاء فلان وفلان، جاء فلان مع فلان دونوں کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔

عَلَيۡهِ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بِفٰتِنِيۡنَ یعنی گمراہ کرنے والے۔ نحاس نے کہا: جتنا مجھے علم ہے اہل تفسیر کا اس پر اتفاق ہے تم کسی کو گمراہ کرنے والے نہیں مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ مقدر کر دے کہ وہ اسے گمراہ کریں۔ شاعر نے کہا:

فرد　بنعمته　كيدَهُ　عليهِ　وكان لنا فاتنا(1)

اس نے اپنی نعمت سے اس کا مکر اسی پر لوٹا دیا جبکہ وہ ہمیں گمراہ کرنے والا تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں قدریہ کا رد ہے۔ عمرو بن ذر نے کہا: ہم حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس حاضر ہوئے ان کے سامنے تقدیر کا ذکر کیا گیا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے تو وہ ابلیس کو پیدا نہ فرماتا جبکہ وہ گناہ کی جڑ ہے اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں علم ہے اسے پہچان لیا جس نے پہچان لیا اور جاہل رہ گیا جو جاہل رہ گیا پھر یہ آیت پڑھی فَاِنَّكُمۡ وَ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ بِفٰتِنِيۡنَ ۝ مگر وہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل ہونے کے بارے میں لکھ دیا فرمایا: اس آیت نے لوگوں کے درمیان فرق کر دیا ہے اس میں یہ راز ہے شیاطین کسی کو بھی گمراہ نہیں کر سکتے مگر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہو کہ وہ ہدایت نہ پائیں اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا تو وہ ہدایت پائے گا تو اس بندے اور شیطان کے درمیان حائل ہو جاتا اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَ رَجِلِكَ (الاسراء: 64) یعنی تو ان تک کوئی چیز نہیں پہنچا سکتا مگر جو میرے علم میں ہے۔

لبید بن ربیعہ نے تقدیر کی حقانیت کے بارے میں کہا اور خوب کہا:

إنّ　تَقْوى　ربّنا　خير　نَفَلْ　وبإذنِ　الله　رَيْثي　وعَجَلْ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5 صفحہ 72

أَحْمَدُ اللهَ فَلَا نِدَّ لَهُ بِيَدَيْهِ الْخَيْرُ مَاشَاءَ فَعَلْ

مَنْ هَدَاهُ سُبُلَ الْخَيْرِ اهْتَدَى نَاعِمِ الْبَالِ وَمَنْ شَاءَ أَضَلْ

بے شک تقوی بہترین احسان ہے اللہ کے اذن سے میری سستی اور تیزی ہے میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں اس کا کوئی مدمقابل نہیں اسی کے قبضہ قدرت میں خیر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جسے وہ بھلائی کے راستہ کی طرف ہدایت دے وہ بڑی آسانی سے ہدایت پاجاتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے گمراہی مقدر کر دیتا ہے۔

فراء نے کہا: اہل حجاز کہتے ہیں فتنت الرجل میں نے انسان کو گمراہ کر دیا۔ اہل نجد مزید فیہ کا فعل ذکر کرتے ہیں افتنته میں نے اسے گمراہ کر دیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ پڑھا: اِلَّا مَنْ هُوَ صَالُ الْجَحِيْمِ یعنی لام مضموم ہے۔ نحاس نے کہا: مفسرین کی جماعت کا کہنا ہے یہ غلطی ہے کیونکہ یہ کہنا جائز نہیں: ھذا قاض المدینة۔ اس بارے میں میں نے جو علی بن سلیمان سے سنا ہے وہ سب سے بہترین ہے کہا: ھو معنی پر محمول ہے کیونکہ من کا معنی جماعت ہے تقدیر کلام یوں ہوگی صالون اضافت کی وجہ سے نون حذف ہے اور واؤ اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصل میں یہ فاعل کے وزن پر تھا مگر اسے صال سے صایل کی طرف قلب کیا گیا یاء کو حذف کر دیا گیا اور لام مضموم ہی رہ گیا شَفَا جُرُفٍ هَارٍ (التوبہ: 109) کی مثل ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ صال کا لام کلمہ تخفیف کے طریقہ پر حذف کر دیا گیا اور اعراب اس کے عین کلمہ پر جاری ہوا جس طرح عربوں کے اس قول سے حذف ہے مابالیت به بالة اصل میں یہ بالیة تھا یہ بال سے ماخوذ ہے جس طرح عافیة، عافی سے ماخوذ ہے اس کی مثل اس کی قراءت ہے وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ (الرحمٰن) اور وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ (الرحمٰن: 24) یہاں بھی عین کلمہ پر اعراب جاری کیا گیا ہے جماعت کی قراءت میں صالی یاء کے ساتھ ہے کاتب نے تحریر میں اسے حذف کر دیا کیونکہ تلفظ میں یہ ساقط ہے۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

''اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اسی کے لئے مقام متعین ہے اور ہم پرے باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں اور بے شک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں''۔

یہ فرشتوں کا قول ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں کہا ہے اور جنہوں نے ان کی عبادت کی تھی ان کے انکار کے لیے ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ تین آیات اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تھے حضرت جبریل امین پیچھے ہٹ گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''یہاں تو مجھے چھوڑ جائے گا'' حضرت جبریل امین نے عرض کی کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ میں اپنے مقام سے آگے بڑھوں☆۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے قول کی حکایت بیان کرتے ہوئے ان

☆۔ تفسیر کشاف

آیات کو نازل فرمایا: وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۔

کوفیوں کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے: وما منا الا من له مقام معلوم تو اسم موصول کو حذف کر دیا گیا۔ بصریوں کے نزدیک اس کی تقدیر کلام یہ ہے وما منا ملك الا له مقام معلوم یعنی عبادت میں اس کا معین مکان ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود اور ابن جبیر کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمانوں میں بالشت بھر ایسی زمین نہیں مگر اس پر ایک فرشتہ نماز پڑھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آسمان میں کوئی ایسی جگہ نہیں مگر وہاں ایک فرشتہ سجدہ ریز ہے یا کھڑا ہے'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے وہ آواز نکال رہا ہے اس کا حق ہے کہ وہ آواز نکالے اس میں چار انگل کے برابر جگہ نہیں مگر ایک فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر رہا ہے اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے، بستروں پر تم اپنی بیویوں سے لذت حاصل نہ کرتے، تم پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے میں تو خواہش کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا(1)''۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے اس بارے میں کہا یہ حدیث حسن غریب ہے ایک دوسری سند سے یوں مروی ہے کہ حضرت ابوذر نے کہا: میں پسند کرتا ہوں کہ میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا؛ حضرت ابوذر سے یہ موقوف مروی ہے۔

قتادہ نے کہا: آپ مردوں اور عورتوں کو اکٹھے نماز پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ کہا: تو مرد آگے ہو گئے اور عورتیں پیچھے ہو گئیں۔

کلبی نے کہا: فرشتوں کی صفیں بھی اسی طرح ہیں جس طرح زمین میں اہل دنیا کی صفیں ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم مسجد میں تھے فرمایا: ''کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناؤ گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں(2)'' ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟ ''پہلی صفوں کو مکمل کرتے اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتے تو کہتے: اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور سیدھے ہو جاؤ(3) اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں اس ہدایت کا ارادہ کرتا ہے جو فرشتوں کو ان کے رب کے ہاں حاصل ہے اور یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ اے فلاں پیچھے ہٹ، اے فلاں آگے ہو پھر آگے بڑھتے اور تکبیر کہتے: سورۂ حجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

ابو مالک نے کہا: لوگ الگ الگ نماز پڑھا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزھد، فضل البکاء من خشیۃ اللہ، جلد 2، صفحہ 55۔ ایضاً، حدیث نمبر 2234، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، الامر بالسکون فی الصلوۃ، جلد 1، صفحہ 181　3۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 72

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو صفیں بنانے کا حکم دیا۔ شعبی نے کہا: جبریل امین یا ایک فرشتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: آپ رات کے دو تہائی اس کا نصف اور اسکا ایک تہائی قیام کرتے ہیں فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں آسمان میں کوئی فرشتہ فارغ نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم ہوا میں اپنے پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں ہم انتظار کرتے ہیں کہ ہمیں کیا حکم دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم عرش کے اردگرد صفیں بنائے ہوئے ہوتے ہیں

وانا لنحن المسبحون اور ہم نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرک اس کی طرف جو بات منسوب کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس سے پاکی بیان کرتے ہیں(1) مراد یہ ہے وہ خبر دیتے ہیں کہ وہ تسبیح اور نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں نہ فرشتے معبود ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمَامِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنوں کا مشرکین کے لیے قول ہے، یعنی ہمارا اور تمہارا آخرت میں معین مقام ہے اور وہ مقام حساب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام خوف ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام رجا ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام اخلاص ہے اور ہم میں سے کچھ وہ ہیں جن کے لئے مقام شکر ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں یہ کہتا ہوں یہ ملائکہ کے قول وَمَامِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ کی طرف راجع ہے۔ واللہ اعلم

وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۝۱۶۷ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۶۸ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۱۶۹ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۷۰

"اور وہ (بعثت نبوی سے پہلے) کہا کرتے تھے: اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی پہلے لوگوں کی طرف سے تو ہم اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے پس (جب نصیحت آئی تو اسے ماننے سے) انکار کر دیا وہ عنقریب اپنا انجام جان لیں گے"۔

مشرکین نے جو باتیں کیں ان کی خبر دینے کی طرف رجوع کیا یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل انہیں جہالت کے ساتھ عار دلائی جاتی تو مشرکین مکہ کہتے: لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۶۸ یعنی وہ کہتے اگر ہماری طرف کوئی نبی مبعوث کیا جاتا جو شرعی احکام کی وضاحت کرتا تو ہم اس کی اتباع کرتے جب ان کو مخفف کیا تو وہ فعل پر داخل ہوا اور اسے لام لازم ہو گیا تا کہ نفی اور ایجاب میں فرق ہو۔ کوفی کہتے ہیں ان، ما کے معنی میں ہے اور لام، الا کی معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ہمارے پاس انبیاء کی کتب میں سے ایک کتاب ہوتی تو ہم اللہ کے مخلص بندے ہوتے یعنی ہمارے پاس ذکر آتا جس طرح پہلے لوگوں کے پاس ذکر آیا ہے تو عبادت کو اللہ کے لئے خالص کرتے، تو انہوں نے ذکر کا انکار کیا۔ فراء حذف کی

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 73

صورت میں تقدیر کلام کرتے ہیں یعنی حضرت محمد ﷺ ذکر لائے تو انہوں نے انکار کر دیا ان پر تعجب کا اظہار ہے یعنی ان کے پاس نبی آیا اور ان پر کتاب نازل کی گئی۔ اس میں اس چیز کا بیان ہے جس کے وہ محتاج تھے پس انہوں نے کفر کیا اور جو بات کہی تھی اسکو پورا نہ کیا۔

زجاج نے کہا: وہ اپنے کفر کا انجام جان لیں گے۔

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّ اَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَ تَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ وَّ اَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾

"اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے، پس آپ رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور ملاحظہ فرماتے رہیے ان کے حالات کو وہ خود بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے کیا وہ ہمارے عذاب کے اترنے کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ پس جب وہ اترے گا ان کے آنگن میں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوگی جنہیں ڈرایا جاتا تھا۔ اور رخ انور پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے اور قدرت الٰہی کا تماشا دیکھتے رہیے۔ وہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے"۔

فراء نے بالسعادۃ کا لفظ مقدر مانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ (المجادلۃ: 21) حضرت حسن بصری نے کہا: صاحب شریعت کو کبھی بھی قتل نہیں کیا گیا حجت اور غلبہ کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے آیت میں الغالبون کا لفظ ذکر ہوا یہ جند کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ہے۔ اگر لفظ کا اعتبار ہوتا تو جس طرح اس آیت کریمہ میں ہے جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿١١﴾ (ص) شیبانی نے کہا: یہاں جمع کا صیغہ آیا ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے۔

آپ ان سے موت کے وقت تک اعراض کریں۔ قتادہ نے حِيْنٍ کا معنی موت کیا ہے(1)۔ زجاج نے کہا: اس وقت تک ان سے اعراض کریں جتنا عرصہ انہیں مہلت دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد غزوہ بدر کے موقع پر قتل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فتح مکہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔

قتادہ نے کہا: وہ عنقریب سب کچھ دیکھ لیں گے جب انہیں دیکھنا کچھ نفع نہ دے گا عسیٰ (2) جب اللہ تعالیٰ کی جانب

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 73　2۔ کتابت میں عسیٰ ہے لیکن ہے سوف، کیونکہ متن میں عسیٰ کی بجائے سوف کا لفظ ہے۔

سے ہو تو یہ وجوب کے لیے آتا ہے۔ ابصار کے ساتھ اسے تعبیر کیا گیا تا کہ امر کی تقریب کا اظہار ہو یعنی وہ قریب ہی دیکھ لیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قیامت کے روز وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔

وہ جھٹلانے کی وجہ سے یہ کہا کرتے تھے متی ھذا العذاب یہ عذاب کب ہوگا یعنی تم عذاب کے بارے میں جلدی نہ کرو وہ ضرور وقوع پذیر ہوگا۔

جب عذاب ان کے آنگن میں اترے گا۔ زجاج نے کہا: ان لوگوں کا عذاب قتل کی صورت میں تھا۔ بِسَاحَتِهِمْ کا معنی ہے ان کے گھر میں۔ سدی اور دوسرے علماء نے کہا: الساحة اور السحسة سے مراد گھر کا وسیع آنگن ہے۔ فراء نے کہا: ان پر عذاب برابر طور پر نازل ہوا۔

جن لوگوں کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا ان کی صبح کتنی بری ہوئی۔ اس میں اضمار ہے یعنی فساء الصباح صباحھم۔ صباح کا خصوصاً ذکر ہوا ہے ان پر عذاب اسی وقت آیا تھا اس معنی میں وہ حدیث ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر آئے تو وہ لوگ اپنی اپنی کھیتیوں کی جانب جا رہے تھے ان کے ہاتھوں میں کدالیں تھیں انہوں نے کہا: محمد اور بڑا لشکر اور وہ اپنے اپنے قلعوں کی طرف لوٹ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اکبر خربت خیبر اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرین (1) اللہ اکبر خیبر برباد ہو گیا جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے لوگوں کی صبح کتنی بری ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں ساحہ کا معنی وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں مراد لیا ہے۔

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ اسے تاکید کے لیے مکرر ذکر کیا اسی طرح وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾ بھی تاکید کے لیے ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾

''پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان ناسزا باتوں سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور سلامتی ہو سب رسولوں پر۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے''۔

اس میں چار مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان چیزوں سے پاکی زیادہ بیان کی ہے جو مشرکوں نے ان کی طرف منسوب کی تھیں رَبِّ الْعِزَّةِ یہ ربك سے بدل ہے مدح کے طور پر اسے نصب دینا بھی جائز ہے اور رفع پڑھنا بھی جائز ہے اس وقت یہ ھو رب العزة کے معنی میں ہوگا۔

عَمَّا يَصِفُوْنَ یعنی بیوی اور بچے سے پاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبحان اللہ کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا

1۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، غزوۂ خیبر، جلد 2، صفحہ 604

فرمایا: ''ہر برائی و عیب سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا''۔ سورۂ بقرۃ میں بحث گذر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ محمد بن سحنون سے رَبِّ الْعِزَّةِ کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ کس طرح جائز ہے جبکہ عزت تو صفات ذات میں سے ہے یہ کہنا جائز نہیں رب القدرۃ اسی طرح دوسری صفات ذات کی طرف رب کی وضاحت کرنا درست نہیں۔

محمد بن سحنون نے جواب دیا: العزۃ یہ صفت ذات بھی ہے اور صفت فعل بھی ہے صفت ذات جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا (فاطر: 10) اور صفت فعل جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: رَبِّ الْعِزَّةِ معنی ہوگا اس عزت کے رب جس عزت سے مخلوق باہم ایک دوسرے پر غلبہ چاہتی ہے پس یہ اللہ تعالیٰ کے خلق میں سے ہوئی۔

کہا: تفسیر میں آیا ہے یہاں عزت سے مراد فرشتے ہیں۔ کہا ہمارے بعض علماء نے کہا: جس نے بعزۃ اللہ کے الفاظ کے ساتھ قسم اٹھائی اگر اس نے عزت سے مراد وہ عزت لی جو اس کی صفت ہے اس نے قسم کو توڑا تو اس پر کفارہ ہوگا اگر اس نے اس معنی کا ارادہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان عزت بنادی ہے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

ماوردی نے کہا: رَبِّ الْعِزَّةِ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے: (1) مالک العزۃ (2) رب کل شیٔ متعزز۔ ہر عزت والی چیز کا رب خواہ وہ چیز بادشاہ ہو یا جبروت والی ہو۔ میں کہتا ہوں: دونوں صورتوں میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا جب کوئی قسم اٹھانے والا قسم اٹھائے۔

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کہنے سے قبل یہ پڑھا کرتے تھے: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ الی آخر السورۃ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے شیخ، امام، محدث، حافظ ابو علی حسن بن محمد بن محمد بن عمروک بکری پر جزیرہ میں جو منصورہ کے سامنے تھا جو دیار مصر سے تعلق رکھتا ہے انہوں نے حرہ ام المؤید زینب بنت عبدالرحمٰن بن حسن شعری سے پہلی دفعہ نیشاپور میں سنا انہوں نے کہا ہمیں ابو محمد اسماعیل بن ابی بکر قاری نے بتایا کہا ہمیں ابو الحسن عبدالقادر بن محمد فارسی نے کہا ہمیں ابو سہل بشر بن احمد نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں ابو داؤد بن حسین بیہقی نے بیان کیا ہے کہا ہمیں ابو زکریا یحییٰ بن یحییٰ بن عبدالتیمی نیشاپوری نے بیان کیا کہا ہمیں ہشیم نے انہوں نے کہا ابو ہارون عبدی سے انہوں نے کہا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی دفعہ نماز کے آخر میں یا جب آپ پھرتے تو یہ کہتے ہوئے سنا: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۲﴾۔

ماوردی نے کہا: جسے یہ بات خوش کرے کہ اسے قیامت کے دن پورا پورا کیل دیا جائے تو جب وہ مجلس کے اختتام پر مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کرے تو کہے (1): سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 74

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ ثعلبی نے حضرت علی شیر خدا کے واسطہ سے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ الْمُرْسَلِيْنَ سے مراد ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے توحید و رسالت کا پیغام پہنچایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم مجھ پر سلام کہو تو مرسلین پر بھی سلام کیا کرو بے شک میں رسولوں میں سے ایک رسول ہوں'' (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے روز ان کے لیے امن ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر جو بھیجا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر جو انعامات کیے ہیں اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکوں کے ہلاک ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اس کی دلیل فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ (الانعام) ہے۔

میں کہتا ہوں: سب مراد ہے اور حمد عام ہے يَصِفُوْنَ کا معنی ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی عنا یصفون من الکذب۔

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 137